الرسالہ

Al-Risāla

October 2000 • No. 287 • Rs. 10

صبر کا مطلب بے عملی نہیں، صبر کا مطلب ہے —— عاجلانہ عمل کے بجائے غیر عاجلانہ عمل۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن (مکمل)	400.00
مطالعۂ سیرت	60.00
اسباق تاریخ	85.00
تعمیر حیات	60.00
تعمیر انسانیت	50.00
سفرنامہ غیر ملکی اسفار، جلد دوم	125.00
اسلام: ایک تعارف	80.00
اللہ اکبر	45.00
پیغمبر انقلاب	50.00
مذہب اور جدید چیلنج	55.00
عظمت قرآن	35.00
عظمت اسلام	50.00
عظمت صحابہ	7.00
دین کامل	60.00
الاسلام	45.00
ظہور اسلام	50.00
اسلامی زندگی	40.00
احیاء اسلام	35.00
راز حیات	65.00
صراط مستقیم	40.00
خاتون اسلام	60.00
سوشلزم اور اسلام	50.00
اسلام اور عصر حاضر	30.00
الربانیۃ	40.00
کاروان ملت	45.00
حقیقت حج	30.00
اسلامی تعلیمات	35.00
اسلام دور جدید کا خالق	25.00
حدیث رسول	40.00
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85.00
راہ عمل	25.00
تعبیر کی غلطی	80.00
دین کی سیاسی تعبیر	20.00

عظمتِ مومن	7.00
اسلام: ایک عظیم جدوجہد	5.00
تاریخ دعوت حق	5.00
مطالعہ سیرت (کتابچہ)	12.00
ڈائری (جلد اول)	80.00
کتاب زندگی	65.00
اقوالِ حکمت	25.00
تعمیر کی طرف	8.00
تبلیغی تحریک	20.00
تجدید دین	25.00
عقلیاتِ اسلام	35.00
قرآن کا مطلوب انسان	8.00
دین کیا ہے؟	7.00
اسلام دین فطرت	7.00
تعمیر ملت	7.00
تاریخ کا سبق	7.00
فسادات کا مسئلہ	5.00
انسان اپنے آپ کو پہچان	5.00
تعارف اسلام	5.00
اسلام پندرہویں صدی میں	5.00
راہیں بند نہیں	12.00
ایمانی طاقت	7.00
اتحاد ملت	7.00
سبق آموز واقعات	7.00
زلزلہ قیامت	10.00
حقیقت کی تلاش	10.00
پیغمبر اسلام	5.00
آخری سفر	7.00
اسلامی دعوت	7.00
حل یہاں ہے	10.00
امہات المومنین	20.00
تصویر ملت	85.00

دعوت اسلام	50.00
دعوت حق	40.00
نشری تقریریں	80.00
دین انسانیت	60.00
فکر اسلامی	50.00
شتم رسول کا مسئلہ	50.00
طلاق اسلام میں	5.00
مضامین اسلام	60.00
حیات طیبہ	7.00
باغ جنت	7.00
نار جہنم	7.00
سچا راستہ	8.00
دینی تعلیم	7.00
خلیج ڈائری	10.00
رہنمائے حیات	7.00
تعدد ازواج	7.00
ہندستانی مسلمان	50.00
روشن مستقبل	7.00
صوم رمضان	7.00
اسلام کا تعارف	5.00
علما اور دور جدید	10.00
سفرنامہ اسپین و فلسطین	60.00
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	12.00
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	10.00
یکساں سول کوڈ	5.00
اسلام کیا ہے؟	8.00
میوات کا سفر	35.00
قیادت نامہ	35.00
منزل کی طرف	5.00
اسفار ہند	125.00
ڈائری ۹۰-۱۹۸۹	100.00
قال اللہ و قال الرسول	70.00

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ، اکتوبر ۲۰۰۰

فہرست

دعوتی ذمہ داری ..... صفحہ 4

تنقید کا مسئلہ 5

واحد انقلاب 6

دنیا اور آخرت 7

فرقوں میں بٹ جانا 8

اشاعت اسلام کالج 9

دو قسم کے آدمی 10

بے خبری 11

تعارف اسلام 12

محبت فاتح عالم 13

تیسرا امکان 14

مشتے بعد از جنگ 15

علمی جہاد 16

انسانی شخصیت 17

بہار کا سفر 19

سوال و جواب 39

خبر نامہ اسلامی مرکز ۱۴۹ 46

الرسالہ
Al-Risala

اردو، اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala
1, Nizamuddin West Market,
New Delhi-110013
Tel. 462 5454, 461 1128
Fax 469 7333, 464 7980
e-mail: skhan@vsnl.com
website: www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 10
One year Rs. 110. Two years Rs. 200
Three years Rs. 300. Five years Rs. 480
Abroad: One year $ 10/£6 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info@ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel./Fax 718-2583435
e-mail: kaleem@alrisala.org

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi.
Printed at Nice Printing Press, 7/10, Parwana Road, Khureji Khas, Delhi- 110 051.

دعوتی ذمہ داری

پیغمبر اسلام ﷺ کی حیثیت داعی کی تھی، آپ کی تبعیت میں آپ کی امت کی حیثیت بھی داعی کی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اے رسول، کہو کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، سمجھ بوجھ کر، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے (قل هٰذه سبیلی ادعوا الی اللّٰه علی بصیرة انا ومن اتبعنی) یوسف ۱۰۸

رسول اللہ ﷺ پیغمبر ہونے کے ساتھ پیغمبر آخر الزماں بھی تھے۔ آپ آخری پیغمبر تھے۔ اس اعتبار سے آپ کی دعوتی ذمہ داری قیامت تک وسیع تھی۔ آپ کو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو توحید کی حقیقت سے باخبر کرنا تھا۔ مگر ایک عمر کو پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ اس لئے سوال ہے کہ اب یہ ذمہ داری کس کے اوپر ہے۔ اب یہ ذمہ داری امت محمدی پر ہے۔ امت محمدی کو آپ کی نیابت میں قیامت تک یہ فریضہ ادا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: مالی اُمسِكُ بِحُجَزِكم عن النار، الا وَاِنَّ ربّی داعیَ وانه سائلی هل بلغت عبادی. فاقول رب قد بلغت. الا فلیبلغ شاهدكم غائبكم (حیاة الصحابه ۱/۷۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں تم لوگوں کی کمر پکڑ کر تم کو آگ سے بچاؤں۔ سن لو کہ میرا رب مجھے بلائے گا اور بے شک وہ مجھ سے سوال کرے گا۔ کیا تم نے میرے بندوں تک میرا پیغام پہنچادیا۔ میں کہوں گا کہ ہاں میرے رب، میں نے پہنچادیا۔ سن لو، تمہارا حاضر تمہارے غائب تک پہنچادے۔

اس حدیث کے مطابق، رسول اللہ ﷺ گویا اپنی امت کے ایک ایک فرد کو ہدایت دے رہے ہیں کہ میرے بعد تم قیامت تک میرے دعوتی مشن کو جاری رکھو، دوسرے لفظوں میں یہ کہ مجھے یہ موقع دو کہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ کہہ سکوں کہ میں نے قیامت تک کے تمام لوگوں پر اپنی دعوتی ذمہ داری پوری کردی، اپنی حیات میں براہ راست طور پر، اور اپنی حیات کے بعد بالواسطہ طور پر۔

تنقید کا مسئلہ

ایک صاحب نے کہا کہ میں ماہنامہ الرسالہ پڑھتا ہوں۔ مگر مجھے آپ کی تنقید پسند نہیں۔ آپ اکثر ہمارے اکابر پر تنقید کرتے ہیں۔ اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کا یہ تنقیدی طریقہ مجھے صحیح نظر نہیں آتا۔

میں نے کہا کہ کوئی مثال دیجئے۔ انہوں نے الرسالہ کے ایک شمارہ کا ایک مضمون بطور مثال بتایا۔ اس میں ایک بزرگ کے ایمان و اخلاص کا اعتراف کرتے ہوئے یہ تنقید کی گئی تھی کہ انہوں نے موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو جو عملی رہنمائی دی اس میں جدید حالات کی رعایت شامل نہ تھی۔

میں نے کہا کہ یہ تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ آپ کو الرسالہ کی تنقید پر اعتراض کرنے کے بجائے خود اپنے طریق فکر پر نظر ثانی کرنا چاہئے۔ کیوں کہ اس قسم کی تنقیدیں تو عین شریعت کے مطابق ہیں۔ ساری اسلامی تاریخ میں کبھی بھی اس قسم کی تنقید کو برا نہیں سمجھا گیا۔

الرسالہ میں کبھی کسی شخصیت کے ایمان و اخلاص کو زیر بحث نہیں لایا جاتا۔ اس میں ہمیشہ زمانہ کی نسبت سے فکری نہج یا عملی تدبیر پر نقد کیا جاتا ہے۔ اور اس قسم کی تنقید کو کبھی امت میں نادرست نہیں کہا گیا۔ علماء اسلام کے یہاں یہ ایک معروف اور مسلم بات ہے کہ جب ایمان و اخلاص کو زیر بحث لائے بغیر صرف فکری نہج اور عملی تدبیر پر نقد کیا جائے تو اس کا مطلب صرف زیر تنقید شخص کی اجتہادی خطا کی نشان دہی ہوتا ہے۔ اور اجتہادی خطا ایسی چیز ہے جو ہر شخص سے ہو سکتی ہے، حتی کہ اصحاب رسول سے بھی، جیسا کہ تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر ایسی تنقید پر برہم ہونے کی کیا ضرورت۔

تنقید کی اصل اختلاف رائے ہے، اور اختلاف رائے ایک عظیم رحمت ہے۔ جس قوم میں اختلاف رائے کا ماحول نہ ہو، اس کے درمیان فکری ارتقاء کا عمل رک جائے گا۔

واحد انقلاب

انقلاب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک (coup) اور دوسرے ریولیوشن (revolution)۔ انسانیت کی معلوم تاریخ میں جتنے بھی انقلاب آئے ہیں وہ سب کے سب کوکے ہم معنی تھے۔ ایک کو چھوڑ کر کوئی بھی حقیقی معنوں میں ریولیوشن نہ تھا۔ انقلابات کی تاریخ میں یہ واحد استثناء پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب کا ہے جو خدا کی خاص مدد کے تحت ساتویں صدی عیسوی میں پیش آیا۔

کُو وہ سیاسی تبدیلی ہے جو ایک حکومتی ڈھانچہ کو توڑ کر اس کی جگہ دوسرا حکومتی ڈھانچہ قائم کرے۔ اس کے برعکس ریولیوشن اس انقلاب کا نام ہے جو افراد کو نیا تعمیری شعور دے۔ جو خود ویلو سسٹم (نظام اقدار) کو بدل دے۔ جو انسان اور انسانی سماج کی نئی تشکیل کرے۔ اس قسم کے ہمہ گیر انقلاب کی مثال پیغمبر اسلام کے لائے ہوئے انقلاب کے سوا کوئی اور انسانی تاریخ میں موجود نہیں۔

پیغمبر اسلام کا لایا ہوا انقلاب واحد انقلاب تھا جس نے انسان کی سوچ کو اور اس کے معیار کو بدل دیا۔ اب یہ ہوا کہ ظواہر کے پرستار حقیقت کے پرستار بن گئے۔ ذاتی انٹرسٹ کے بجائے انسانیت کا انٹرسٹ دیکھا جانے لگا۔ اخلاقی بے قیدی کی جگہ اخلاقی پابندی لوگوں کا شیوہ بن گیا۔ اپنے حقوق پر نظر رکھنے والے اپنی ذمہ داریوں پر نظر رکھنے والے بن گئے۔ انا کی پرستش کرنے والوں نے اپنی انا کو خود ہی کچل دیا۔ اقتدار کے لئے کشمکش کرنے والے اقتدار سے بے رغبت ہو گئے۔ لوگوں نے تکلفات کو چھوڑ کر سادگی کو اپنا طریقہ بنالیا۔ جو لوگ دنیا کو اپنا مقصد زندگی بنائے ہوئے تھے ان کی نظر میں دنیا زندگی کی صرف ایک ضرورت بن گئی۔ جو لوگ پہلے سرکشی میں لذت پا رہے تھے اب وہ تواضع میں لذت محسوس کرنے لگے۔ انتقام لینے والوں نے عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کر لیا۔

دنیا اور آخرت

بیج ڈالنے کے دن جو کسان فصل کاٹنا چاہے، وہ بیج کو بھی کھوئے گا اور فصل سے بھی محروم رہے گا۔ یہی معاملہ دنیا اور آخرت کا ہے۔ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور آخرت اس کا انعام پانے کی جگہ۔ جو شخص دنیا ہی میں "انعام" حاصل کرنا چاہے تو وہ اس قیمت پر ہوگا کہ وہ مطلوب عمل انجام نہ دے سکے گا۔ وہ آخرت کی تعمیر کے واحد موقع کو کھو دے گا۔

جو چیز جنت میں ملنے والی ہے اس کو آدمی موجودہ دنیا میں پانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دونوں ہی کو کھو دیتا ہے۔ عقل مند انسان وہ ہے جو دنیا کے ذریعہ آخرت کو خریدے نہ کہ دنیا میں پھنس کر اپنے آپ کو آخرت سے محروم کر لے۔

آپ سفر کے دوران وہ سکون حاصل کرنا چاہیں جو صرف گھر پر کسی آدمی کو ملتا ہے تو آپ کبھی اپنی اس طلب میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسی مثال سے دنیا اور آخرت کے معاملہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ دنیا کو خدا نے عمل کرنے کی جگہ بنایا ہے اور آخرت کو عمل کا انجام پانے کی جگہ۔ یا دنیا سفر کا راستہ ہے اور آخرت اس کی منزل۔

اب اگر آپ چاہیں کہ دنیا ہی میں اپنا انجام پا لیں تو آپ کے عمل کی منصوبہ بندی بالکل غلط ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر آپ راستہ میں منزل والا سکون حاصل کرنا چاہیں تو آپ اپنے راستہ کو کھوٹا کر لیں گے۔ عقل مند آدمی وہ ہے جو دنیا اور آخرت کے اس فرق کو سمجھے۔ وہ موت سے پہلے اس چیز کی خواہش نہ کرے جو صرف موت کے بعد والی زندگی میں کسی کو مل سکتی ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ وہ حقیقت پسند بنے۔ وہ خواہشوں کے پیچھے نہ دوڑے۔ کیوں کہ خواہشیں آدمی کو گڑھے کے سوا کسی اور منزل پر پہنچانے والی نہیں۔

ہر آدمی اپنے سینہ میں خواہشات کا ایک سمندر لئے ہوئے ہے۔ یہ خواہشات بجائے خود غلط نہیں۔ مگر ان خواہشات کی تکمیل کا مقام آخرت ہے نہ کہ موجودہ دنیا۔

فرقوں میں بٹ جانا

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور باہم اختلاف کیا جب کہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے۔ اور ان کے لئے بڑی سزا ہے۔ (آل عمران ۱۰۵)

جب کسی قوم کی توجہ خدا کی طرف سے ہٹتی ہے تو اس کی توجہ اپنے آپ کی طرف لگ جاتی ہے۔ اب اس کے افراد کے اندر خود پسندی اور مفاد پرستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ افتراق اور اختلاف ہے۔ جب لوگوں کی توجہ خدا کی طرف لگی ہوئی ہو تو آپس کا اختلاف قدرتی طور پر دب جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ باہمی اتحاد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب لوگوں کی توجہ اپنی ذات کی طرف لگ جائے تو ہر ایک کی رائے اور ہر ایک کا مفاد الگ الگ ہو جاتا ہے۔ اس کے قدرتی نتیجہ کے طور پر باہمی اختلاف اور آپس کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔

اتحاد خدا سے خوف کا لازمی نتیجہ ہے، اور اختلاف خدا سے بے خوفی کا لازمی نتیجہ۔ کسی مذہبی گروہ میں اختلاف اس بات کی علامت ہے کہ اس کی زندگی تقویٰ کی پٹری سے اتر کر کسی اور پٹری پر چلنے لگی ہے۔ اتحاد نام ہے اختلاف کے باوجود متحد ہونے کا۔ مختلف اسباب سے ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان طرح طرح کے اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ اختلافات ناگزیر ہیں۔ کسی بھی تدبیر سے اختلافات کے وجود کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں اصل چیز یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے درمیان سرے سے اختلاف موجود نہ ہو۔ اصل چیز یہ ہے کہ لوگوں کے اندر یہ مزاج پایا جائے کہ وہ اختلاف کے باوجود باہم مل کر کام کر سکیں۔

یہ مزاج لوگوں کے اندر کسی برتر مشن کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ خدا کا سچا عقیدہ لوگوں کے اندر یہی مزاج پیدا کرتا ہے۔ خدا کی عظمت کا تصور لوگوں کی نظر میں بقیہ تمام چیزوں کی اہمیت کو گھٹا دیتا ہے۔ مزاج کی یہ تبدیلی لوگوں کے اندر یہ حوصلہ پیدا کرتی ہے کہ وہ اختلاف کو نظر انداز کر کے باہم متحد ہو جائیں۔

اشاعت اسلام کالج

علامہ اقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸) نے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں لاہور میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا تھا جس کا نام تھا اشاعت اسلام کالج۔ اس کا مقصد غیر مسلموں میں کام کرنے کے لئے اسلام کے مبلغ تیار کرنا تھا۔ اس کالج کے پرنسپل یوسف سلیم چشتی (۱۸۹۶۔۱۹۸۴) تھے جن سے میری ملاقات ۱۹۷۱ میں لاہور میں ہوئی۔

اشاعت اسلام کالج چودہ سال تک بے کسی کی حالت میں چل کر آخر کار ختم ہو گیا۔ پروفیسر چشتی نے بتایا کہ اس کے ختم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کو مسلمانوں کا تعاون نہیں ملا۔ اقبال اپنی ساری مقبولیت کے باوجود اپنے تبلیغی ادارہ کے لئے مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ پانی سے محروم درخت کی طرح وہ سوکھتا رہا، یہاں تک کہ بالآخر وہ اپنی موت مر گیا۔

یوسف سلیم چشتی مرحوم نے بتایا کہ اقبال کا اندازہ یہ تھا کہ اشاعت اسلام کالج کے فارغ شدہ افراد کو مسلم مدرسے اور مسلم ادارے اپنے یہاں رکھ لیں گے۔ اور اس طرح انہیں موقع ملے گا کہ وہ گھوم گھوم کر غیر مسلموں میں تبلیغ کر سکیں۔ مگر مسلم اداروں نے انھیں قبول نہیں کیا۔ اس کے نتیجہ میں اشاعت اسلام کالج کے فارغ شدہ طلبہ میں مایوسی پیدا ہو گئی اور مزید داخلہ نہ ملنے کی بنا پر کالج اپنے آپ ختم ہو گیا۔

میرے نزدیک اشاعت اسلام کالج اس لئے ناکام ہو گیا کہ وہ ایک غیر منظور شدہ ادارہ تھا۔ جاب مارکیٹ میں اس کی ڈگری کی کوئی قیمت نہ تھی، اس لئے زیادہ قابل عمل بات یہ ہے کہ سند یافتہ اور ڈگری یافتہ لوگوں کو تربیت دے کر اس قابل بنایا جائے کہ وہ جہاں اور جس شعبہ حیات میں رہیں وہاں اپنے ذاتی کام کے ساتھ بقدر امکان دعوت کی ذمہ داریاں بھی ادا کریں۔ "اشاعت اسلام کالج" کی زیادہ قابل عمل صورت یہ ہے کہ تعلیم یافتہ افراد کو محدود مدت کے لئے بلایا جائے اور انہیں زبان سکھائی جائے اور دعوتی مضامین پڑھائے جائیں۔ تاکہ وہ جہاں بھی ہوں داعی بن کر رہ سکیں۔

دو قسم کے آدمی

انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک انسان وہ ہے جو اصول کے بارے میں حساس ہو۔ دوسرا وہ جس کی حساسیت صرف اپنی خواہشات اور مفادات کے بارے میں جاگتی ہو۔ پہلی قسم کے انسان ہی حقیقی معنوں میں انسان ہیں اور دوسری قسم کے لوگ انسان نما حیوان ہیں۔ ان کے جینے کی سطح اور حیوانوں کے جینے کی سطح میں کوئی فرق نہیں۔

ایک انسان وہ ہے جو ہر حال میں حق کا اعتراف کرے، خواہ وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف۔ وہ اپنے کئے ہوئے وعدہ سے کبھی نہ پھرے، وہ کسی حال میں سچائی کو نہ چھوڑے، خواہ وہ اس کی مصلحتوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا کردار اصول انسانیت کے تابع ہو نہ کہ حالات اور مواقع کے تابع۔ وہ وہی کرے جو اسے کرنا چاہئے، نہ کہ وہ جس کو کرنے کے لئے اس کا جی چاہتا ہو۔

دوسرا انسان وہ ہے جو اپنے آپ کو کسی اصول یا معیار کا پابند نہ سمجھے۔ حالات کا دباؤ ہو تو حق پرست بن جائے اور جہاں دباؤ نہ ہو وہاں وہ حق کو نظر انداز کر دے۔ وعدہ پورا کرنے میں فائدہ نظر آئے تو وعدہ پورا کرے اور جہاں فائدہ کا محرک نہ ہو وہاں وعدہ سے بے پروا ہو جائے۔ ایک ہی قسم کے معاملہ میں اس کا رویہ ایک شخص کے ساتھ کچھ ہو اور دوسرے شخص کے ساتھ کچھ۔

بظاہر دیکھنے میں ہر آدمی ایک ہی شکل کا دکھائی دیتا ہے مگر تجربہ بتاتا ہے کہ یکساں شکل کے اندر دو الگ الگ انسان چھپے ہوئے تھے۔ مومن با اصول انسان کا نام ہے اور غیر مومن بے اصول انسان کا نام۔

اس پہلو سے دیکھا جائے تو مومن کی تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جو قابل پیشین گوئی کردار (predictable chracter) کا حامل ہو۔ اس کی اصول پسندی کی بنا پر اس کے بارے میں پیشگی طور پر یہ اندازہ کیا جا سکے کہ کن حالات میں وہ کس قسم کے رویہ کا اظہار کرے گا۔

بے خبری

ایک مسلم نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک وہ اس پر بولتے رہے کہ ہندستان میں مسلمان مسائل سے گھرے ہوئے ہیں۔ ان کو تعصب اور زیادتی کا سامنا ہے۔ ان کے لئے ترقی کے دروازے بند ہیں۔ آخر میں ان سے میں نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ وہ راجستھان میں ایک بزنس کر رہے ہیں۔ اور پچھلے دو سال کے عرصہ میں انہوں نے اطمینان بخش کامیابی حاصل کی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ جو کاروبار وہ کر رہے ہیں اس میں ان کا سابقہ ۹۹ فیصد غیر مسلموں سے پڑتا ہے۔ یہ غیر مسلم ان کے لئے نہایت مددگار (helpful) ثابت ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں سن کر میں نے کہا کہ آپ کی سوچ میں ایک تضاد ہے۔ اور یہی تضاد آپ کو اصل معاملہ سمجھنے نہیں دیتا۔ آپ اس تضاد کے خول سے باہر آجائیں تو آپ خود بخود جان لیں گے کہ ہندستان میں مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی ترقی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

میں نے کہا کہ آپ ماشاء اللہ ایک مسلمان ہیں۔ آپ نے یہاں ایک کاروبار شروع کیا۔ خود آپ کے بیان کے مطابق اسی ہندستان میں آپ کا کاروبار ترقی کر رہا ہے۔ غیر مسلموں کی طرف سے آپ کو کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ ذاتی طور پر اس مثبت تجربہ کے باوجود کیوں آپ ایسا کہہ رہے ہیں کہ اس ملک میں مسلمان سنگین مسائل سے دوچار ہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں بعض اردو اخبارات کی رپورٹوں اور بعض مسلم رہنماؤں کے بیانات کا حوالہ دیا۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ تعصب اور زیادتی کے نظریہ کی اصل جڑ کیا ہے۔ یہ جڑ ملک کے اپنے حالات میں نہیں ہے بلکہ خود مسلمانوں کی زرد صحافت اور زرد قیادت اس کی ذمہ دار ہے۔ اگر ہمارے درمیان یہ زرد صحافت اور یہ زرد قیادت نہ ہو تو اس معاملہ کو جاننے کے لئے مسلمانوں کے پاس ان کا ذاتی تجربہ ہوگا اور پھر وہ یقینی طور پر جان لیں گے کہ ان کے وطن میں ان کے لئے ہر قسم کی ترقی کے مواقع کھلے ہوئے ہیں۔

تعارف اسلام

ڈاکٹر ارن کمار دہلی کے ایک ممتاز ڈنٹسٹ ہیں۔ ہمارے گھر کی ایک خاتون کو دانت میں تکلیف تھی۔ انہوں نے ڈاکٹر کمار سے اپائنٹمنٹ لیا۔ مقرر تاریخ پر جب وہ وہاں گئیں تو اپنے ساتھ ہمارے یہاں کی چھپی ہوئی انگریزی کتاب *A Treasury of the Quran* لیتی گئیں اور ڈاکٹر کمار کو ہدیۃً پیش کیا۔

ڈاکٹر کمار اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ دانت کا کام کرنے کے بعد جب وہ ان کے یہاں کی خاتون رسپشنسٹ کے یہاں گئیں تاکہ اپنا بل ادا کریں تو خاتون کلرک نے ڈاکٹر سے انٹر کام پر فیس کی رقم معلوم کی تو ڈاکٹر نے کہا کہ ان سے فیس نہیں لینا ہے۔

اس طرح کے واقعات بتاتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اسلام کے دعوت و تعارف کا کام کتنا زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ ایک طرف جدید دور کی سہولتوں نے اس کو ممکن بنادیا ہے کہ اسلام کے موضوع پر خوبصورت کتابیں تیار کی جائیں جن کو ہدیۃً یا قیمۃً لوگوں میں پھیلایا جائے۔ دوسری طرف دور جدید میں مذہبی آزادی اور مطالعہ کے شوق نے اس بات کو ممکن بنادیا ہے کہ لوگوں کو جب مطالعہ کی کوئی چیز فراہم کی جائے تو وہ شوق کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔

اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچانا مسلمانوں کی لازمی ذمہ داری ہے۔ پہلے زمانہ میں اس کام کو انجام دینا سخت مشکل تھا۔ اب زمانہ کی تبدیلیوں نے صورت حال بالکل بدل دی ہے۔ دعوت کا کام پہلے اگر مذہبی جبر کے حالات میں کرنا پڑتا تھا تو اب یہ کام مذہبی آزادی کے حالات میں کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ پہلے اگر اس کام کے لئے صرف تھوڑے وسائل میسر تھے تو اب کثیر وسائل اس کے لئے حاصل ہو گئے ہیں۔ پہلے اگر محدود دائرہ میں یہ کام کیا جاسکتا تھا تو اب وسیع تر دائرہ میں اسلام کی اشاعت کے دروازے کھل گئے ہیں، وغیرہ۔

محبت فاتح عالم

محبت ایک طاقت ہے۔ وہ کسی ہتھیار کے بغیر لوگوں کو فتح کر لیتی ہے۔ ہتھیاروں کا وار انسان کے جسم پر ہوتا ہے اور محبت کا وار انسان کے دل پر۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہتھیار زیادہ طاقت ور ہے جو دل کو جیت لے۔ جسم کو ہرانے والا ہتھیار مقابلۃً بے حد کمزور ہے اور اسی کے ساتھ نہایت وقتی بھی۔

محبت کا یہ اصول زندگی کے تمام معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ گھر میں ہوں یا پڑوس میں۔ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ ہر موقع پر ایسے معاملات پیش آتے ہیں جب کہ آپ کو دوسرے سے کوئی اختلاف یا شکایت ہو جائے۔ ایسے موقع پر اگر آپ رد عمل کا طریقہ اختیار کریں تو یقینی طور پر دونوں فریقوں کے درمیان نفرت اور ضد بڑھے گی۔ اور نفرت اور ضد معاملہ کو صرف بڑھاتی ہے، وہ کسی بھی درجہ میں معاملہ کو گھٹانے والی یا اس کو حل کرنے والی نہیں۔

اس کے بجائے اگر ایسا ہو کہ جب کسی بھی شکایت یا اختلاف کی صورت پیش آئے تو آپ ردّ عمل کی نفسیات کا شکار نہ ہوں۔ آپ فریق ثانی کے رویہ سے اوپر اٹھ کر اس کے ساتھ نرمی اور محبت کا معاملہ کریں۔ اگر آپ ایسا کریں تو آپ دیکھیں گے کہ معاملہ جہاں پیدا ہوا تھا وہیں وہ ختم ہو گیا۔ جو اختلاف بظاہر دوری کا سبب بننے والا تھا وہ قربت بڑھانے کا ذریعہ بن گیا۔

کوئی شخص آپ سے کڑوا بول بولے تو آپ اس کا جواب میٹھے بول سے دیجئے۔ کوئی شخص آپ کو اپنے لئے مسئلہ سمجھے تو آپ یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو بے مسئلہ بنا لیجئے۔ کوئی شخص آپ کے ساتھ بد معاملگی کرے تو آپ اس کے ساتھ اچھے برتاؤ کا ثبوت دیجئے۔ کوئی شخص آپ کو بدنام کرے تو آپ اس کا تذکرہ اچھے الفاظ کے ساتھ کیجئے۔ کوئی شخص آپ پر غصہ ہو جائے تو آپ اس کے لئے برف کی طرح ٹھنڈے پڑ جایئے۔ کوئی شخص آپ کے ساتھ بد خواہی کرے تو آپ اس کے حق میں خیر خواہ بن جایئے۔ یہی محبت کا طریقہ ہے، اور محبت بلاشبہہ فاتح عالم ہے۔

تیسرا امکان

برطانیہ کی خاتون اسکالر کیرن آرم اسٹرانگ (Karen Armstrong) ایک منصف مزاج خاتون ہیں۔ اسلام کے بارہ میں ان کی تحریریں عدل وانصاف پر مبنی ہوتی ہیں۔ ان کی ایک قابل مطالعہ کتاب لندن سے ۱۹۹۱ میں چھپی ہے۔ ۲۸۰ صفحہ کی اس کتاب کا نام یہ ہے:

Muhammad: A western attempt to understand Islam

اس کتاب میں انہوں نے موجودہ زمانہ کی مسلم تحریکوں پر تبصرہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانہ کا انقلابی اسلام، اپنے انتہا پسندانہ اور سفید وسیاہ حل کے ساتھ ایک نوجوان کا مذہب ہے:

Radical Islam with its extreme and black-and-white solutions, is a young person's faith. (p. 12)

معاملہ کو بلیک اینڈ وہائٹ میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صرف دو حالتوں کے درمیان سوچ سکے۔ مثلاً اگر اس کے ملک میں بظاہر ایک غیر صالح حکمراں ہے تو وہ یہ سمجھے کہ اس کو کسی نہ کسی طرح اقتدار سے ہٹادو اس کے بعد اپنے آپ صالح حکومت قائم ہو جائے گی۔ مگر زندگی اس طرح صرف دو صورتوں کے درمیان نہیں ہوتی۔ عین ممکن ہے کہ آپ دھوم مچا کر غیر صالح حکمراں کا خاتمہ کریں اور اس کے بعد عملاً ایک تیسری صورت سامنے آجائے، یعنی ایک اور غیر صالح حکمراں کا اقتدار پر قبضہ۔

جو لوگ معاملات کو سفید وسیاہ کی صرف دو صورتوں میں دیکھتے ہیں وہ ہمیشہ اصلاح کے نام پر تباہی لانے کا سبب بنتے ہیں۔ حقیقی اصلاح کے لئے ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو دو صورتوں کے دائرہ سے باہر آکر تیسرے امکان کو دیکھ سکے، جو یہ جانے کہ ہر ایسا اقدام باطل ہے جو عملی طور پر ایک نظام فساد کو ہٹا کر دوسرے نظام فساد کی آمد پر منتج ہونے والا ہے۔

مشتے بعد از جنگ

دو پہلوانوں کے درمیان کشتی ہو۔ ان میں سے ایک دوسرے کو پچھاڑ کر اس کے اوپر بیٹھ جائے، اس کے بعد ہارا ہوا آدمی اپنے ہاتھ سے جیتے ہوئے پہلوان کو مارنا چاہے تو اس کو فارسی میں مشتے بعداز جنگ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا فعل سراسر احمقانہ ہے، کسی بھی درجہ میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

جب نزاع پیدا ہو تو اس کے ابتدائی مرحلہ میں وہ وقت ہوتا ہے جب کہ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہو۔ اگر آپ نے کسی جھوٹے بھرم میں پڑ کر اس وقت کو کھو دیا تو اس کے بعد آپ کے لئے صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہو گیا ہے اس کو صبر و تحمل کے ساتھ گوارا کریں۔ فیصلہ کا وقت گزر جانے کے بعد جنگ کو جاری رکھنا صرف اپنے نقصان میں اضافہ کرنا ہے۔ اس قسم کی کوشش مشتے بعداز جنگ ہے۔ وہ کسی بھی درجہ میں کسی کے لئے نیا مستقبل پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔

موجودہ دنیا میں جو واقعات ہوتے ہیں وہ بے شمار عوامل کے تحت ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے معلوم اور نا معلوم اسباب یکجا ہوتے ہیں، اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ ظہور پذیر ہو سکے۔ فطرت کا یہ قانون جس طرح بقیہ دنیا میں کار فرما ہے اسی طرح وہ انسانی زندگی میں بھی کام کر رہا ہے۔

نزاع کے ابتدائی مرحلہ میں فیصلہ کا اپنے اختیار میں ہونا بہت سے اسباب کی بنا پر ہوتا ہے۔ مختلف اسباب کی یکجائی اس کو یہ موقع دیتی ہے کہ وہ اپنے حق میں ایک مفید فیصلہ لے سکے۔ لیکن اگر وہ بروقت فیصلہ کرنے میں ناکام رہا تو یہ اسباب بہت جلد منتشر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ حالات کا سرا آدمی کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بہترین عقلمندی یہ ہے کہ آدمی صابرانہ روش اختیار کر کے آنے والے وقت کا انتظار کرے جب کہ دوبارہ ایسے اسباب اکٹھا ہوں جو اس کو از سر نو اپنا مطلوب فیصلہ لینے کا موقع دے سکیں۔ فیصلہ کے وقت چوک جانا اگر غلطی ہے تو مشتے بعداز جنگ غلطی پر دیوانگی کا اضافہ۔

علمی جہاد

رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ حدیث کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق، آپ نے فرمایا کہ میری امت میں برابر ایک گروہ موجود رہے گا جو حق کے لئے قتال کرے گا۔ اس حدیث میں بظاہر قتال کا لفظ ہے۔ مگر امام بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ) نے اس کو جنگ کے معنی میں نہیں لیا ہے بلکہ علمی جہاد کے معنی میں لیا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے جس باب کے تحت نقل کیا ہے اس کا عنوان (ترجمۂ باب) انہوں نے ان الفاظ میں قائم کیا ہے:

بابُ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق یقاتلون و هم اهل العلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بیان میں کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہتے ہوئے قتال کرے گا، اور اس سے مراد علم والے ہیں۔ (کتاب الاعتصام)۔ امام بخاری کے اس ترجمۂ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث میں "قتال" کو اس کے لفظی معنی میں نہیں لے رہے ہیں۔ بلکہ حقیقی معنی میں لے رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ اس سے مراد علمی مجاہدین ہیں، یعنی وہ لوگ جو علم کی راہ سے اللہ کے دین کی خدمت کریں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مستقل اور مسلسل جاری رہنے والی چیز علمی جہاد ہی ہے۔ قتال مسلسل جاری رہنے والی چیز نہیں۔ چنانچہ ابو بکر الجصاص رازی حنفی (م ۳۷۰ھ) نے لکھا ہے کہ علمی جہاد اصل ہے اور جسمانی یا عسکری جہاد صرف ایک شاخ ہے (فجهاد العلم اصل و جهاد النفس فرع، احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۱۱۹)

علمی جہاد کی سب سے بڑی شکل یہ ہے کہ دلائل کے ذریعہ اسلام کی حجت لوگوں کے اوپر قائم کی جائے۔ اس کے خلاف علمی اعتراضات کو اعلیٰ علمی سطح پر رد کیا جائے۔ اسلام کو ایک فکری اور نظریاتی قوت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے لایا جائے۔

انسانی شخصیت

کیمسٹری کا پہلا سبق جو ایک طالب علیم سیکھتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز فنا نہیں ہوتی۔ وہ صرف اپنی صورت بدل لیتی ہے:

Nothing dies, it only changes its form.

اس عالمی کلیہ سے انسان کے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح مادہ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ جلنے یا پھٹنے یا کسی اور حادثہ سے وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ شکل بدل کر دنیا کے اندر اپنے وجود کو باقی رکھتا ہے۔ اسی طرح ہم مجبور ہیں کہ انسان کو بھی ناقابل فنا مخلوق سمجھیں اور موت کو اس کے خاتمہ کے ہم معنی قرار نہ دیں۔

یہ محض بالواسطہ قیاس نہیں بلکہ ایک ایسا واقعہ ہے جو براہ راست تجربہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر علم الخلیہ (cytology) بتاتا ہے کہ انسان کا جسم جن چھوٹے چھوٹے خلیوں (cells) سے مل کر بنا ہے وہ مسلسل ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ایک متوسط قد کے انسان میں ان کی تعداد تقریباً ۲۶ پدم ہوتی ہے۔ یہ خلیے کسی عمارت کی اینٹوں کی طرح نہیں ہیں جو ہمیشہ وہی کے وہی باقی رہتے ہوں۔ بلکہ وہ ہر روز بے شمار تعداد میں ٹوٹتے ہیں اور غذا ان کی جگہ دوسرے تازہ خلیے فراہم کرتی رہتی ہے۔ یہ ٹوٹ پھوٹ ظاہر کرتی ہے کہ اوسطاً ہر دس سال میں ایک جسم بدل کر بالکل نیا جسم ہو جاتا ہے۔ گویا دس برس پہلے میں نے اپنے جس ہاتھ سے کسی معاہدہ پر دستخط کئے تھے وہ ہاتھ اب میرے جسم پر باقی نہیں رہا۔ پھر بھی "پچھلے ہاتھ" سے دستخط کیا ہوا معاہدہ میرا ہی معاہدہ رہتا ہے۔ جسم کی تبدیلی کے باوجود اندر کا انسان پہلے کی طرح اپنی اصل حالت میں موجود رہتا ہے۔ اس کا علم، اس کا حافظہ، اس کی تمنائیں، اس کی عادتیں، اس کے خیالات بدستور اس کی ہستی میں شامل رہتے ہیں۔ اسی لئے ایک حیاتیاتی عالم نے کہا ہے کہ انسانی شخصیت تغیر کے اندر عدم تغیر کا نام ہے:

personality is changlessness in change.

اگر صرف جسم کے خاتمہ کا نام موت ہو تو ایسی موت تو "زندہ" انسانوں کے ساتھ بھی ہر روز پیش آتی رہتی ہے۔ ساٹھ سال کی عمر کا ایک شخص جس کو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھتے ہیں، وہ جسمانی خاتمہ کے معنی میں چھ بار مکمل طور پر مر چکا ہے۔ اب چھ بار کی جسمانی موت سے اگر ایک انسان نہیں مرا تو ساتویں بار کی موت سے کیوں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو موت کے بعد بھی زندہ موجود رہتا ہے۔ دوسری چیزیں اگر گیس کی صورت میں باقی رہتی ہیں تو انسان اپنے شعوری وجود کی صورت میں اپنے وجود کو باقی رکھتا ہے۔

موت کے بعد زندگی کے اور بھی بہت سے استدلالی قرائن ہیں ان میں سے ایک نطق (الذاریات ۲۳) ہے۔ انسان کا بولنا ایک انتہائی عجیب ظاہرہ ہے۔ نطق آدمی کی پوری شخصیت کی علامت ہے۔ یہ نطق حیرت انگیز طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔

آواز کی ریکارڈنگ کے جدید طریقوں نے اس حقیقت کو ایک معلوم اور معروف چیز بنا دیا ہے۔ ۲۴ اگست ۲۰۰۰ کی صبح کی خبروں میں میں نے ریڈیو پر سنا کہ ہندستان کے مرکزی وزیر مسٹر کمار منگلم کا آج صبح سویرے دہلی میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد رات کو آٹھ بجے دوبارہ جب میں نے ریڈیو کو کھولا تو اس میں اس کی تفصیلی خبر کے ساتھ وفات یافتہ وزیر کا ایک بیان ان کی اپنی آواز میں سنایا جا رہا تھا جو انہوں نے اپنی موت سے کچھ پہلے دیا تھا۔ جب میں نے ان کی آواز کو سنا تو اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے ایک شخص جو مر گیا تھا وہ دوبارہ زندہ ہو گیا ہے اور اٹھ کر لوگوں کے سامنے بول رہا ہے۔

نطق کے بارہ میں یہ ایک ایسا تجربہ ہے جو جدید ریکارڈنگ کے دور میں ہر ایک کے سامنے آ رہا ہے۔ یہ گویا خدا کی ایک نشانی ہے جو ظاہر ہو کر انسان کو بتا رہی ہے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں، وہ زندگی کے اگلے مرحلہ میں داخل ہونا ہے۔ وہ موجودہ دنیا میں مر کر آخرت کی دنیا میں دوبارہ جی اٹھنا ہے۔

بہار کا سفر

مدرسہ صدیقیہ، سرسیا (چمپارن) کی دعوت پر بہار کا سفر ہوا۔ ۲۵ مئی ۲۰۰۰ کو میں دہلی سے پٹنہ پہنچا اور ۲۷ مئی ۲۰۰۰ کو دہلی واپسی ہوئی۔ اس سفر میں بہت سے تجربات و مشاہدات پیش آئے ان کا مختصر حال یہاں لکھا جاتا ہے۔

۲۵ مئی کو صبح ۹ بجے گھر سے روانگی ہوئی۔ دہلی کی سڑکوں پر وہی مانوس مناظر تھے۔ ایرپورٹ پہنچا تو پہلی خوش کن خبر یہ ملی کہ جہاز (انڈین ائر لائنز ۸۰۹۱) ٹھیک ٹائم پر ہے۔ مگر بعد کو اعلان ہوا کہ جہاز کی روانگی میں کچھ تاخیر ہے۔ یہ تاخیر بڑھتی رہی یہاں تک کہ وہ ایک گھنٹہ لیٹ ہو کر ساڑھے گیارہ بجے دہلی سے روانہ ہوا۔

اصل یہ ہے کہ انڈین ایرلائنز کے پاس اس وقت صرف ۵۵ جہاز ہیں اور تقریباً سب کے سب پرانے ہو چکے ہیں۔ ان جہازوں میں ہر روز مرمت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں ایک جہاز زیادہ سے زیادہ ۱۰ سال تک چلایا جاتا ہے مگر ہندستان میں اس کی کوئی حد نہیں۔ کیوں کہ نیا جہاز خریدنے کے لئے کثیر زر مبادلہ درکار ہے۔ مگر زر مبادلہ کی کمی کا سبب کسی بھی درجہ میں یہ نہیں ہے کہ ہمارا ملک غریب ہے۔ اس کا واحد سبب کرپشن ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ صورت حال کب تک باقی رہے گی۔

جہاز میں میرے قریب کی سیٹ پر ایک بھاری بھر کم آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنا سیلولر ٹیلی فون غالباً اپنے گھر سے ملایا اور کہا: میں دہلی سے بول رہا ہوں۔ ایسا ہے کہ یہ فلائٹ پہلے رانچی جائے گی اور پھر پٹنہ آئے گی۔ پٹنہ پہنچنے کا وقت ۲ بجے ہے۔ یہ سن کر میں نے سوچا کہ آج کے زمانہ میں اور قدیم زمانہ میں کتنا فرق ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کوئی شخص سفر کرتا تھا تو اس کی خبر اس کے گھر والوں کو صرف اس وقت ملتی تھی جب کہ وہ وہاں پہنچ گیا ہو۔ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ خواہ آپ دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہوں جدید مواصلاتی ذرائع کو استعمال کر کے منٹوں اور

سکنڈوں میں زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی خبر پہنچا سکتے ہیں۔

جہاز کے اندر پڑھنے کے لئے آج کے اخبارات کے علاوہ انڈین ائر لائنس کی فلائٹ میگزین سواگت (مئی ۲۰۰۰) موجود تھا۔ اس کو اٹھایا تو اس کی کور اسٹوری ہندستان کے قلعوں کے بارے میں تھی۔ اس کا عنوان تھا:

Forts, Legacies of the past.

اس باتصویر مضمون میں ہندستان کے مختلف قلعوں کی رنگین تصویریں تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں تصویر دہلی کے لال قلعہ کی تھی جس کو شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔

جیسا کہ معلوم ہے، دہلی کے لال قلعہ سے تھوڑی دوری پر یہاں کی جامع مسجد واقع ہے۔ دونوں کا جائے وقوع اس طرح ہے کہ جب قلعہ کی تصویر لی جاتی ہے تو اس کے فوکس میں جامع مسجد نمایاں طور پر دکھائی دینے لگتی ہے۔ چنانچہ سواگت کی موجودہ تصویر میں بھی ایسا ہی تھا۔ اس کو دیکھ کر مجھے مسلمانوں کا وہ دور یاد آگیا جو پانچ سو سال پہلے دنیا میں موجود تھا۔ اس وقت مسلمان زندگی کے مختلف شعبوں میں اس طرح چھائے ہوئے تھے کہ جدھر سے بھی دیکھا جائے ان کا فوکس میں آنا لازمی تھا۔ مثلاً علم الحساب کی بات ہو تو فوراً عربی ہندسہ (Arabic Numerals) کا تذکرہ سامنے آجائے گا۔ علم جغرافیہ کا چرچہ ہو تو الادریسی کا نام سامنے آجائے گا جس نے یورپ کے ایک بادشاہ کے لئے پہلا عالمی نقشہ بنایا تھا۔ بحری جہاز رانی کا تذکرہ ہو تو ملاح ماجد کا نام سامنے آجاتا ہے جس نے واسکوڈی گاما کے لمبے سفر میں اس کی رہنمائی کی تھی۔ طرز تعمیر کا ذکر ہو تو تاج محل کا نام فوراً سامنے آجاتا ہے جو اپنے زمانہ کے لحاظ سے ایک تعمیری چھلانگ کی حیثیت رکھتا تھا۔ علم طب کا تذکرہ ہو تو فوراً ان مسلم حکماء کا نام سامنے آجائے گا جنہوں نے تاریخ میں سب سے پہلے آپریشن کا طریقہ ایجاد کیا۔ علم افلاک کا تذکرہ ہو تو ان مسلمانوں کا نام سامنے آجاتا ہے جنہوں نے تاریخ کی سب سے پہلی رصد گاہ بنائی۔

علم تاریخ کا ذکر کیا جائے تو فوراً ابن خلدون کا نام سامنے آجاتا ہے جس نے فن تاریخ کو

پہلی بار شاہی داستان کے دائرہ سے نکال کر اس کو انسانی تاریخ کا موضوع بنایا۔ لندن کے برٹش میوزیم میں آج بھی ایسے قدیم سونے کے سکے رکھے ہوئے ہیں جن کو ڈھالنے کے لئے بغداد کے مسلم سکہ گر بلائے گئے تھے۔ چنانچہ ان مسلم سکہ گروں کے نام ان پر کندہ ہیں۔

مسلمانوں نے اپنے زمانہ عروج میں دنیا کو سب سے بڑی جو چیز دی وہ یہ ہے کہ انہوں نے جدید سائنس کے دور کا آغاز کیا۔ اس معاملہ میں انسانیت کے لئے مسلمانوں کی جو دین ہے اس کی تفصیل راقم الحروف کی کتاب "اسلام دور جدید کا خالق" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جہاز کے اندر اعلانات ہوئے تو معلوم ہوا کہ اس جہاز کے کیپٹن مسٹر محبوب ہیں۔ یہ گویا اس بات کی علامت تھی کہ ہندستان میں مسلمانوں کے لئے ترقی کے وہ تمام مواقع موجود ہیں جو کسی دوسرے کے لئے ہو سکتے ہیں۔

۱۹۴۷ سے لے کر اب تک مسلمانوں کے تقریباً تمام لکھنے اور بولنے والے لوگ مسلمانوں کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ ہندستان ان کے لئے ایک پرابلم کنٹری ہے۔ میں غالباً پہلا شخص تھا جس نے مسلمانوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ اس ملک میں ان کے لئے وہ تمام مواقع پوری طرح موجود ہیں جو کسی دوسرے ملک میں ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے مشن کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں مگر میں نے اللہ کی توفیق سے اپنا مشن جاری رکھا۔ آج یہ حقیقت اتنی نمایاں ہو چکی ہے کہ بے آنکھ والے بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اس معاملہ میں مسلم رہنماؤں کی نظر کچھ انتہا پسند ہندوؤں کے لکھے یا بولے ہوئے لفظوں پر تھی۔ اس کے برعکس میری نگاہ فطرت کے قوانین اور تاریخ میں کام کرنے والی قوتوں پر تھی۔ اور زندگی کا فیصلہ ہمیشہ تاریخی قوانین کے تحت ہوتا ہے، کسی لیڈر کا اخباری بیان اس کا فیصلہ نہیں کرتا۔

پٹنہ ایر پورٹ پر میں اترا تو وہاں مولانا عبد الرحیم امدادی، مسٹر ایم ٹی خان، مولانا بدر الدین قاسمی، وغیرہ موجود تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو کر پہلے مسٹر ایم ٹی خان کی

رہائش گاہ (عدالت گنج) پہنچا۔ یہاں کچھ دیر قیام رہا اور لوگوں سے مختلف موضوعات پر بات ہوئی۔

مسٹر ایم ٹی خان ہائی کورٹ میں ایک اچھے عہدہ پر ہیں۔ اپنے عہدہ کے لحاظ سے ان کو موجودہ مکان سے زیادہ بڑا سرکاری مکان مل رہا تھا مگر ان کے ہندو پڑوسیوں نے سخت اصرار کیا کہ وہ یہیں رہیں، وہ دوسرے مکان میں نہ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے موجودہ مکان ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔

پٹنہ ریاستِ بہار کی راجدھانی ہے۔ بہار ہندستان کی چند بڑی ریاستوں میں سے ایک ہے۔ اس کی ابتدائی تاریخ ۱۵۰۰ قبل مسیح تک جاتی ہے۔ ساڑھے تین ہزار سال کی اس طویل مدت کے درمیان بہار کے جغرافی نقشہ میں بھی بار بار تبدیلیاں ہوئی ہیں اور اس کے سیاسی نقشہ میں بھی۔ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ البتہ ایک سبق آموز بات یہاں قابل ذکر ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانکا (۱۹۸۴) میں بہار پر چار صفحہ کا مقالہ شامل ہے۔ اس میں مسلم عہد اور برطانی عہد کے لئے حیرت انگیز طور پر دو مختلف قسم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً بہار میں برطانی عہد کا تذکرہ کرتے ہوئے "برطانیہ کے تحت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

Under the British it formed a part of the Bengal presidency until 1912 (2/984)

اس کے بعد انسائیکلو پیڈیا کے اسی مقالہ میں جب مسلم عہد کا تذکرہ کیا گیا ہے تو برعکس طور پر وہاں "مسلم حملہ آور" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

The name Bihar (Vihar) dates back to about AD 1200 and was given by the Muslim invaders who were struck by the large number of Buddhist monasteries (viharas) they saw. (2/984)

تاریخ نویسی کا یہ غیر علمی انداز ہر قوم اور ہر گروہ میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ غالباً یہ سب سے بڑی وجہ ہے جو اس میں رکاوٹ بن گئی کہ انسانی سوچ کا ارتقاء حقیقت پسندانہ بنیاد پر ہو سکے۔ انسانی تاریخ کو مجرد طور پر خارجی حقائق کی روشنی میں لکھنا چاہئے نہ کہ ذاتی تعصبات کی روشنی میں۔

۲۵ مئی ۲۰۰۰ کی شام کو پٹنہ سے موتی ہاری کے لئے روانگی ہوئی۔ بارش کی وجہ سے

موسم بہت خوش گوار ہو گیا تھا۔ مگر سڑک کا معاملہ اس کے بر عکس تھا۔ ہماری گاڑی ہر قدم پر اس طرح ہچکولے کھاتی ہوئی چل رہی تھی جیسے کہ ہم پختہ سڑک پر نہ چل رہے ہوں بلکہ کسی کچی سڑک پر چل رہے ہوں۔

آزادی کے بعد جن ہندستانی لیڈروں کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور آئی وہ سب رومانی قسم کے لیڈر تھے۔ وہ سوشلسٹ سوسائٹی، نان الائنڈ موومنٹ، پبلک سکٹر، مزدور نواز قوانین اور سماج واد جیسے خیالی افکار میں گم تھے۔ انہوں نے سڑک اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر توجہ دینے کے بجائے اپنی خیالی دنیا کو قائم کرنے پر ساری طاقت لگادی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خیالی دنیا تو بن نہ سکی کیوں کہ وہ بننے والی ہی نہ تھی۔ اور جو کام ممکن تھا وہ اس لئے انجام نہیں پایا کہ اس کے لئے انہوں نے حقیقی طور پر کام ہی نہیں کیا۔

راستہ میں ایک بہت لمبا پل آیا معلوم ہوا کہ یہ پل گنگا ندی کے اوپر بنایا گیا ہے اور وہ تقریباً پانچ کلو میٹر لمبا ہے۔ یہ پل آزادی کے بعد بنایا گیا ہے۔ اس سے پہلے صرف کشتیوں کے ذریعہ سفر ہوا کرتا تھا۔ لمبا راستہ طے کرنے کے بعد موتی ہاری پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ یہاں رحمٰن ماڈل اکیڈمی میں پروگرام تھا۔ تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں اکٹھا ہوئے تھے۔ مگر ہمارے پہنچنے میں تین گھنٹے کی تاخیر ہو گئی۔ بہت سے لوگ انتظار کرنے کے بعد واپس ہو گئے تھے۔ تاہم یہاں ایک اجتماع ہوا اس میں بھی کافی لوگ شریک تھے۔ میں نے تعلیم کی اہمیت پر تقریر کی۔

موتی ہاری میں رحمٰن ماڈل اکیڈمی کے جلسے میں کئی اعلیٰ سرکاری افسران بھی شریک تھے۔ رحمٰن اکیڈمی کے بانی ڈاکٹر ایم۔ اے۔ رحمٰن ہیں۔ یہ تعلیمی ادارہ انہوں نے ۱۹۸۹ میں قائم کیا تھا۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ تعلیم کا مقصد صرف جاب حاصل کرنا یا پیسہ کمانا نہیں ہوتا بلکہ تعلیم کا اصل مقصد انسان کو باشعور بنانا ہے۔

ایک مسلم افسر نے بتایا کہ بہار میں سرکاری سروس میں ہندو مسلم کے درمیان امتیاز نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ یہاں مسلم افسران کی تعداد کافی ہے۔ موتی ہاری سے رات میں روانہ ہو کر بتیا،

منشاٹولہ (جامع مسجد) پہنچا۔ یہاں کی زیر تعمیر مسجد میں ایک جلسہ رکھا گیا تھا۔ اس میں تعمیر ملت کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندستان میں مسلمانوں کے لئے ترقی کے تمام مواقع موجود ہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ محنت کے ساتھ کام کیا جائے۔

منشاٹولہ کی مسجد میں تقریر کے بعد ہم لوگ شانتی ہوٹل گئے اور رات یہاں گذاری۔

۲۶ مئی ۲۰۰۰ کی صبح کو ہمارا قافلہ ہوٹل سے روانہ ہو کر بتیا کے یتیم خانہ میں پہنچا۔ یہ یتیم خانہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک، لڑکوں کے لئے، اور دوسرا، لڑکیوں کے لئے۔ یتیم خانہ نہایت وسیع رقبہ میں قائم ہے اور تعمیر وغیرہ کے لحاظ سے کافی شاندار ہے۔ یتیم خانہ کے رجسٹر پر میں نے جو الفاظ لکھے وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

۲۵ مئی ۲۰۰۰ کو بتیا کا یتیم خانہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اس کو اپنی امیدوں سے زیادہ پایا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو زیادہ سے زیادہ ترقی عطا فرمائے۔

کسی بچہ یا بچی کا یتیم ہونا کوئی برائی نہیں۔ یہ ایک نعمت ہے جو فطرت کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے۔ اگر یتیم ہونا نعمت نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ پیغمبر اسلام کے لئے یتیمی کا انتخاب نہ فرماتے۔ یتیم ہونا کسی بچہ یا بچی کے لئے قدرت کی طرف سے ایک خوشخبری ہے۔ اس بات کی خوشخبری کہ تم کو زندگی کے سفر کے لئے وہ کورس عطا کیا گیا ہے جو اس انسان کو عطا ہوا جس کے بارے میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم حضرات بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ﷺ پوری تاریخ بشری کے سب سے زیادہ کامیاب انسان تھے۔

یتیم بچہ یا بچی کو پیدا ہونے کے بعد دنیا میں اپنے فطری امکان کو بروئے کار لانے کے لئے اور کیا چیز ملنی چاہئے اس کا اشارہ اس قرآنی آیت میں ملتا ہے۔

الم یجدك یتیماً فآوىٰ (الانشراح)۔ یعنی اپنے آغاز حیات میں اپنی زندگی کی تعمیر کے لئے ایک ماویٰ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ یتیم خانہ اور اسی طرح تمام یتیم خانے اسی آیت کی عملی تفسیر ہیں۔ وہ یتیموں کو ماوی فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح کے کام کو میں اپنی زبان میں منصوبۂ خداوندی

سمجھتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بتیا کے اس یتیم خانہ کو حقیقی معنوں میں یتیموں کا ماوئی بنائے اور اس کو زیادہ سے زیادہ ترقی عطا فرمائے۔

یتیم خانہ کے ایک طالب علم فصیح اختر (۱۷ سال) نے ایک نعت سنائی۔ غالباً یتیم نے ان کی آواز کو کافی پر اثر بنادیا تھا۔ اس نعت کا ایک شعر یہ تھا:

پتھر کا کلیجہ بھی شق ہو فولاد بھی پانی پانی ہو　　اتنا ہے کلام رب میں اثر جو تم کو اثر معلوم نہیں

یہ یتیم خانہ ۱۹۲۸ سے قائم ہے۔ ایک صاحب نے اپنا قصہ بتاتے ہوئے کہا کہ بچپن میں میں یتیم ہو گیا تھا۔ میرے رشتہ داروں نے مجھے اس یتیم خانہ میں داخل کر دیا۔ میرے ساتھ دو یتیم بچے اور تھے۔ ہم تینوں نے یتیم بچوں کی حیثیت سے اس یتیم خانہ میں پرورش پائی۔ اس وقت بظاہر ہمارا کوئی مستقبل نہ تھا۔ مگر آج ہم تینوں اللہ کے فضل سے کامیاب زندگی گذار رہے ہیں۔

میں نے کہا کہ یہ آپ کے اسی یتیم ہونے کا نتیجہ ہے۔ یتیمی کی حالت بہترین حالت ہے۔ یتیمی آدمی کے اندر خود شناسی پیدا کرتی ہے۔ وہ آدمی کے اندر خود کفیل بننے کا جذبہ ابھارتی ہے۔ یتیم آدمی سمجھتا ہے کہ میرا کوئی سہارا نہیں، اس لئے مجھ کو خود ہی سارا عمل کرنا ہے۔ اس طرح وہ دوسروں سے زیادہ محنت کرنے لگتا ہے۔ یتیمی کے حالات آدمی کو ہیرو بنا دیتے ہیں۔

بتیا میں کئی لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک صاحب وہ تھے جن کی عمر ۳۰ سال تھی۔ ان کے والدین کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ رشتہ داروں نے ان سے بڑی بے رخی برتی۔ حتی کہ ان کو معمولی مدرسہ میں داخل کر دیا۔ چنانچہ ان کا ابتدائی زمانہ تکلیفوں اور مصیبتوں میں گذرا۔ بے عزتی اس کے علاوہ تھی۔ اس کے بعد وہ کسی طرح بمبئی پہنچ گئے وہاں انہوں نے محنت کرنا شروع کیا یہاں تک کہ اب وہ ایک کامیاب انسان کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ بچپن میں وہ بے سہارا اور یتیم تھے۔ اب وہ پورے معنوں میں ایک سلف میڈ مین (self-made man) ہیں۔ گفتگو کے دوران میں نے محسوس کیا کہ ان کے سینہ میں لوگوں کے خلاف سخت شکایات ہیں۔ ان کا سینہ ماضی کی تلخ یادوں سے بھرا ہوا ہے۔

میں نے ان سے نصیحت کے طور پر دو باتیں کہیں۔ ایک بات یہ کہ یاد رکھئے، سب سے بڑی عبادت اللہ کا شکر ہے۔ شکر بے حد لطیف چیز ہے۔ شکر اور نفرت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ جو آدمی شکر جیسی افضل عبادت کا انعام لینا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے سینہ کو نفرت سے مکمل طور پر پاک رکھے۔ گندے برتن میں آپ دودھ رکھیں تو دودھ خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح نفرت اور انتقام سے بھرے ہوئے سینہ میں شکر جیسے نورانی جذبہ کا جگہ پانا ممکن نہیں۔

دوسری بات ان سے میں نے یہ کہی کہ جن لوگوں نے آپ کو بچپن میں بے سہارا چھوڑ دیا، دراصل یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو ترقی تک پہنچایا۔ فطرت کا یہ قانون ہے کہ جو آدمی اپنے آپ کو بے سہارا پائے اس کے اندر عمل کا بے پناہ جذبہ ابھر آتا ہے۔ زندگی کی مشکلات کسی انسان کے لئے مہمیز کا حکم رکھتی ہیں۔ اس دنیا میں ترقی کے درجہ تک وہی پہنچتا ہے جس کو زندگی میں جھٹکے لگتے ہیں، یہ گویا شاک ٹریٹمنٹ کا معاملہ ہے۔ یعنی زحمت میں رحمت۔

مولانا قاری بدرالدین قاسمی (۲۹ سال) آج کل بمبئی میں رہتے ہیں۔ Tel. 4158145 ان سے بہت سی باتیں ہوئیں۔ ایک موقع پر میں نے کہا کہ اعلانِ حق کوئی مطلق چیز نہیں۔ اگر اعلان حق کوئی مطلق چیز ہوتی تو حدیث میں یہ نہ ہوتا کہ: من صمت نجا (جو چپ رہا اس نے نجات پائی) انہوں نے کہا کہ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فمن لم یستطع فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان۔ میں نے کہا کہ اس حدیث کو سمجھنے میں عام طور پر سخت غلطی کی جاتی ہے۔ اس حدیث میں استطاعت کی شرط لگی ہوئی ہے۔ استطاعت کا مطلب اقدام کی استطاعت نہیں ہے، بلکہ نتیجہ کی استطاعت ہے۔ یعنی عملی اقدام یا لسانی اقدام کر کے اگر مطلوب نتیجہ برآمد کرنا اپنے بس میں ہو تو اقدام کیا جائے گا ورنہ خاموشی اختیار کی جائے گی۔ اور صرف دعا پر اکتفا کیا جائے گا۔

بتیا میں کئی لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں سے ایک جناب محمد امیر اللہ صاحب تھے۔

انہوں نے کافی رقم خرچ کر کے ایک قابل قدر کام کیا ہے۔ یہ ایک قسم کے تعلیمی مسافر خانہ کا قیام ہے جو بس اسٹینڈ اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان واقع ہے۔

بتیا میں جن لوگوں سے ملاقات ہوئی ان میں سے ایک مسٹر حیدر علی ہیں۔ ان کا پورا خاندان ابتدا سے الرسالہ کا قاری رہا ہے۔ ان کی والدہ جن کی عمر ۸۵ سال ہو گئی ہے، وہ اب بھی بغیر عینک کے الرسالہ پڑھتی ہیں۔ ان کی صاحبزادی صوفیہ حیدر جنہوں نے حال ہی میں بی۔ ایس۔ سی۔ کا کورس کیا ہے، نہایت اہتمام سے الرسالہ کا مطالعہ کرتی ہیں اور الرسالہ کا ہر شمارہ بار بار پڑھتی ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ الرسالہ مطبوعات کا برابر مطالعہ کر رہی ہیں۔ میں نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ زندگی میں سب سے اہم چیز حوصلہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے گھر والوں کو اور رشتہ داروں کو الرسالہ مطالعہ کے لئے دیتی ہوں مگر کم لوگ اس طرح کی سنجیدہ چیزوں کے مطالعہ میں دلچسپی لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ان عزم الجزاء مع عزم البلاء یعنی جتنی زیادہ تکلیف کے ساتھ عمل کیا جائے اتنا ہی زیادہ اس کا ثواب ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ایسے لوگوں کے بارے میں شکایت کے بجائے یہ سوچیں کہ وہ آپ کے ثواب میں اضافہ کر رہے ہیں۔

سفر سے واپسی کے بعد صوفیہ حیدر صاحبہ کا ایک خط ملا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ "آپ کے دورہ کے بعد میرے حوصلوں میں کافی اضافہ ہو گیا ہے"۔ اب وہ زیادہ سرگرمی کے ساتھ خواتین میں الرسالہ مشن کو پھیلانے کا کام کر رہی ہیں۔

اس طرح مختلف لوگوں سے ملنے کے بعد ہم لوگ چن پٹنا پہنچے۔ یہاں جناب شفیع اختر صاحب (رستم بیڑی والے) کی رہائش گاہ پر ایک اجتماع ہوا۔ جس میں تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ کئی ممتاز ہندو صاحبان بھی یہاں موجود تھے۔ اس موقع پر میں نے قومی یکجہتی کے موضوع پر تقریر کی۔ لوگوں نے اچھے تاثر کا اظہار کیا۔ اس اجتماع میں کچھ اخبار نویس بھی موجود تھے۔ تقریر کے بعد لوگوں سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔

ایک تعلیم یافتہ مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک بڑے شہر میں رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں الرسالہ مشن سے اتفاق رکھتا ہوں اور اس کے لئے عملی طور پر کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ مگر ٹائم نہیں ملتا۔ میں نے کہا کہ یہ کسی ایک شخص کی بات نہیں۔ ہندستان سے لے کر امریکہ تک آپ کو بے شمار ایسے لوگ ملیں گے جو کہیں گے کہ میں دین کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں مگر ٹائم نہیں ملتا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سو سال پہلے کوئی آدمی ایسا نہیں کہتا تھا حالاں کہ اس وقت بھی یہی ٹائم تھا۔ پہلے بھی اسی طرح ۲۴ گھنٹہ کے رات اور دن ہوتے تھے۔

اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے ایک آدمی کو اپنا ٹائم دینے کے لئے زیادہ کھونا نہیں پڑتا تھا۔ اب اس کو ٹائم دینے کے لئے بہت زیادہ کھو دینا پڑتا ہے۔ سکہ کی اصطلاح میں پہلے ٹائم کی قیمت بہت کم تھی اور اب سکہ کی اصطلاح میں ٹائم کی قیمت بہت بڑھ چکی ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کی بنا پر آج لوگ ٹائم کا عذر پیش کرتے ہیں۔ جب کہ ماضی میں وہ اس قسم کا عذر نہیں کرتے تھے۔

مزید غور کیجئے تو حقیقۃً ٹائم کا مسئلہ نہیں بلکہ حرص کا مسئلہ ہے۔ آج بھی لوگ اگر سادگی اور قناعت کو اپنا طریقہ بنائیں تو وہ تھوڑے ٹائم میں اتنی کمائی کر سکتے ہیں جو ان کی ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ضرورتوں پر قانع نہیں۔ وہ اپنے سماجی اسٹیٹس کو بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت کمانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ٹائم کی ہر مقدار ان کے لئے ناکافی ثابت ہو رہی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ لوگوں کو حقیقت بیانی سے کام لے کر یہ کہنا چاہئے کہ ہم دینی مشن کو اتنا اہم نہیں سمجھتے کہ اس کے لئے ہم اپنا ٹائم دیں۔ ہمارے پاس ٹائم ہے مگر اس کا زیادہ بڑا استعمال ہمارے نزدیک کسب مال ہے۔

چن پیٹا سے روانہ ہو کر ہم لوگ ساٹھی پہنچے۔ یہاں مدرسہ ریاض العلوم واقع ہے۔ وہ ۱۹۴۶ میں قائم ہوا۔ وہ ترقی کرتے کرتے ایک بڑا تعلیمی ادارہ بن چکا ہے۔ اس میں لڑکوں کی تعلیم

کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز ریاض العلوم کی مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد میں اجتماع ہوا۔ وسیع مسجد پوری طرح بھری ہوئی تھی۔

ریاض العلوم کی مسجد کی تقریر میں میں نے دینی تعلیم کی اہمیت اور مدارس دینیہ کے کردار پر خطاب کیا۔ یہ ایک تفصیلی خطاب تھا اس خطاب میں دوسری باتوں کے علاوہ میں نے ایک بات یہ کہی کہ بہت سے لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ اس ملک میں مدارس کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ مدارس کے خلاف غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔ مدارس کے نظام کو تباہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے کہا کہ اس قسم کی مخالفانہ کوششیں ہر چیز کے خلاف اور ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں۔

قرآن کے بیان کے مطابق، یہ دنیا عداوتوں کی دنیا ہے۔ ہمیں عداوتوں کے ماحول میں جینا ہے۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ ہم منفی رد عمل سے بچیں اور مثبت ردّ عمل کے ذریعہ ان حالات کا خاموش مقابلہ کریں۔ میں نے کہا، صحیح البخاری کی ایک روایت میں رسول اللہ نے فرمایا: ان اللہ یعطی علی الرفق ما لا یعطی علی العنف۔ اس حدیث میں یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ مسائل کا مقابلہ اگر تشدد کے انداز میں کیا جائے تو صرف ناکامی ہمارے حصہ میں آئے گی۔ اس کے برعکس اگر مسائل کا مقابلہ نرمی اور امن کے اسلوب میں کیا جائے تو کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ جمعہ کے پروگرام کے بعد ریاض العلوم میں پریس کانفرنس تھی اس میں دینک جاگرن "ہندستان" اور دوسرے اخباروں کے نمائندے موجود تھے۔ سوال و جواب کی صورت میں یہ کانفرنس دیر تک چلتی رہی۔

ایک ہندو اخبار نویس نے کہا کہ سارے مذہبوں کو ایک کیسے بنایا جائے۔ کیوں کہ جب تک سارے مذاہب ایک نہ ہو جائیں۔ ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ اتحاد قائم نہیں ہو سکتا۔

میں نے کہا کہ اتحاد کا کوئی تعلق مذہبوں کو ایک کرنے سے نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے درمیان آپس میں لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کورو اور پانڈو دونوں کا

مذہب ایک تھا۔ اس کے باوجود دونوں میں خونیں جنگ ہوئی۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں ہونے والی دو عالمی جنگوں میں دونوں فریق ایک ہی مذہب کو ماننے والے تھے۔ حال کی خلیجی جنگ دو ہم مذہب لوگوں کے درمیان ہوئی، وغیرہ۔

میں نے کہا کہ اتحاد کا راز ٹالرنس ہے۔ اگر آپ کو ملک میں اتحاد لانا ہے تو مذہبوں کو بے فائدہ طور پر ایک کرنے کی بات نہ کیجئے۔ بلکہ لوگوں کو اختلاف کے باوجود متحد ہو کر رہنے کا سبق دیجئے۔ لوگوں سے کہئے کہ فرق و اختلاف فطرت کا لازمی حصہ ہے۔ دوسرے معاملات میں ایسا ہے کہ لوگ فرق اور اختلاف کے باوجود باہمی احترام کے اصول پر زندگی گزارتے ہیں۔ یہی اصول مذہب کے دائرہ میں بھی کار آمد ہے۔

ریاض العلوم ساٹھی میں برابر لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اور ان سے دینی اور ملی موضوعات پر تبادلۂ خیال جاری رہا۔ ایک صاحب جو میرے ساتھ سفر میں شریک تھے، وہ شہری زندگی کے عادی ہیں۔ ہمارا سفر زیادہ تر دیہاتی علاقوں میں ہوا، جہاں اونچے نیچے راستے تھے۔ ہم کو طرح طرح کے پر مشقت معاملات سے سابقہ پیش آیا۔ اس تجربہ سے وہ کچھ گھبرا گئے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے سفر کے اس تجربہ کو پر تاسف (deplorable) قرار دیا۔ میں نے کہا کہ اسلام نام ہے ہر واقعہ سے مثبت اثر لینے کا۔ مثلاً یہ تکلیف دہ تجربات جو ہمارے ساتھ گذر رہے ہیں، اس سے ہم کو شکر کی غذا لینا چاہئے۔ کیوں کہ یہ ہمارے لئے صرف ایک وقتی مصیبت ہے، جب کہ وہ ان گاؤں والوں کے لئے مستقل مصیبت ہے۔ ہم کو سوچنا چاہئے کہ اللہ نے ہمارے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمایا ہے۔ ہم کو اس سخت امتحان میں نہیں ڈالا، جس میں گاؤں اور دیہات کے یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں۔

۲۶ مئی کی شام کو مغرب کی نماز ریاض العلوم میں پڑھی گئی۔ اس کے بعد ہم لوگ آگے کے لئے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے مجھے ریاض العلوم کے تحت بننے والا لڑکیوں کا مدرسہ دکھایا گیا۔ یہ ایک کشادہ اور خوب صورت عمارت تھی۔ آج کل سارے ملک میں جگہ جگہ مسلم لڑکیوں

کے لئے اسکول اور مدرسے بنائے جارہے ہیں۔ یہ ایک بے حد خوش آئند بات ہے۔ کچھ لوگ لڑکیوں کی تعلیم پر خدشات ظاہر کررہے ہیں۔ حال میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ جو لڑکیاں عالمہ اور فاضلہ بن رہی ہیں ان میں طلاق کی شرح دوسری لڑکیوں سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ ان تعلیم یافتہ مسلم لڑکیوں کو آسانی سے سروس مل جاتی ہے۔ اس لئے ان کے اندر شوہر کے تابع نہ رہنے کا وہی مزاج پیدا ہورہا ہے جو مغربی سماج کی لڑکیوں میں اسی سبب سے پایا جاتا ہے۔

میں نے کہا کہ مجھے اس سے بحث نہیں کہ آپ کی یہ اطلاع درست ہے یا نہیں۔ میرے نزدیک زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس دنیا میں نہ سارے مرد معیاری ہوتے ہیں اور نہ ساری عورتیں۔ آپ پڑھائیں یا نہ پڑھائیں اس دنیا میں کبھی بھی نہ تمام خواتین معیاری خواتین بن جائیں گی اور نہ تمام مرد معیاری مرد۔

راستہ میں ہم لوگ جناب جمال الدین صاحب کے دفتر پر رکے۔ ان کی تعلیم صرف نویں کلاس تک ہوئی ہے۔ پہلے ان کی معاشی حالت بہت معمولی تھی، مگر اب وہ ایک کامیاب بزنس چلا رہے ہیں۔ میں نے انہیں دو نصیحتیں کیں۔ ایک یہ کہ اللہ اگر کسی کو پیسہ دے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عیش کی زندگی گذارنے لگے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ بقدر ضرورت پر قناعت کرے اور بقیہ پیسے کو اچھے کاموں میں خرچ کرے۔

دوسری نصیحت یہ کی کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائے۔ تعلیم میں ہرگز کمی نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک باپ اپنے بچے کو سب سے بہتر جو چیز دے سکتا ہے وہ اچھی تعلیم ہے۔ جمال الدین صاحب کے یہاں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے۔ رات ہو چکی تھی۔ ہم لوگوں کو سرسیا پہنچنا تھا۔ یہ پورا راستہ تجربات کا ایک سلسلہ تھا۔ ایک جگہ ہماری گاڑی کو ندی کے راستہ سے گزرنا پڑا۔ بارش ہونے کی وجہ سے راستہ میں جگہ جگہ گڑھے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ راستہ کار کے ذریعہ نہیں بلکہ ٹریکٹر کے ذریعہ طے ہورہا ہے۔ میں نے کہا کہ اس دنیا میں ہماری زندگی شروع سے آخر تک ایک امتحان ہے۔ اس امتحان کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ

ہم وہ کام کریں جو خدا کی پیدا کی ہوئی گائے کرتی ہے۔ مولانا اسماعیل میرٹھی کا شعر ہے:

کل جو گھاس چری تھی بن میں　　دودھ بنی وہ گائے کے تھن میں

میں نے کہا کہ گائے کے اندر جو واقعہ نیچرل پراسس کے تحت ہوتا ہے وہی انسان کے اندر شعوری پراسس کے تحت ہونا چاہئے، یعنی تکلیف میں شکر کا پہلو نکال لینا۔ مصیبت میں راحت کی غذا حاصل کرنا، ناخوشگوار تجربات کو خوشگوار احساسات میں تبدیل کرنا، وغیرہ۔

اس طرح سفر کرتے ہوئے ہم لوگ سرسیا پہنچے۔ یہاں مدرسہ صدیقیہ میں خطاب کا پروگرام تھا۔ اس مدرسہ کو مولانا عبدالرحیم امدادی نے اپنے پیر و مرشد قاری محمد صدیق باندوی کے نام پر قائم کیا ہے۔ یہاں خطاب کا وقت ۱۰ بجے رات تھا۔ یہاں کافی لوگ اکٹھا ہو گئے۔

میں نے اس موقع پر ایک مفصل تقریر کی۔ میری تقریر کا موضوع تعلیم دین کی اہمیت تھا۔ میں نے کہا کہ تعلیم دین فرض کے درجہ میں ضروری ہے۔ تعلیم کا تعلق ایمان سے بہت گہرا ہے۔ ایمان کیا ہے، ایمان دراصل دین خدا کی صداقت کو شعوری اور روحانی طور پر دریافت کرنا ہے۔ یہ دریافت عام حالات میں علم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

کچھ لوگوں نے یہ شکایت کی کہ آپ ہمارے خطوط کے جواب نہیں دیتے۔ میں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے۔ میں ہمیشہ خطوط کا جواب دیتا ہوں، خواہ وہ مختصر کیوں نہ ہو۔ البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خط میں لکھنے والے کا پتہ نہیں ہوتا، کبھی سوال واضح نہیں ہوتا، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو الرسالہ کے "سوال و جواب" کے کالم میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ کوئی خط ڈاک کی خرابی کی وجہ سے مکتوب الیہ تک نہ پہنچا ہو۔

مدرسہ صدیقیہ کے پروگرام میں حاضرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہاں کافی دیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ رات کے بارہ بج گئے۔ اس کے بعد ہم لوگ ساتھی کے لئے روانہ ہوئے۔

اندھیری رات تھی۔ ایک بجے کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم چلتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں ایک پہاڑی ندی واقع تھی۔ ایسی ندیوں میں پانی مستقل نہیں رہتا۔ بلکہ سال میں کبھی کبھی

آجاتا ہے۔ چنانچہ یہاں پل کے بجائے ڈھلوان سڑک بنادی جاتی ہے۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو سڑک پر پانی پھیل چکا تھا۔ ہمارے ڈرائیور نے گاڑی کھڑی کردی۔ اس کا خیال تھا کہ پانی اتنا زیادہ ہے کہ ہماری گاڑی اس میں سے گزر نہیں سکتی۔ اب یہ مشورہ ہونے لگا کہ راستہ بدل کر ایک اور سڑک سے چلا جائے، اگرچہ وہ راستہ لمبا ہے اور کم از کم دو گھنٹہ کی مسافت بڑھ جاتی ہے۔

ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ اچانک پیچھے سے ایک روشنی دکھائی دی۔ معلوم ہوا کہ ایک جیپ ہمارے پیچھے آرہی ہے۔ یہ واقعہ انوکھا تھا کیوں کہ سارے راستہ میں ہمیں کوئی بھی گاڑی دکھائی نہیں دی تھی۔ ہم ایک سنسان سڑک سے گذرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ ہماری گاڑی ندی کے کنارے کھڑی ہوئی تھی کہ اچانک جیپ آگے بڑھی اور وہ فوراً دریا میں داخل ہو کر پانی سے گذرتی ہوئی سڑک کے دوسری طرف چلی گئی۔

یہ دیکھ کر ہمارے ڈرائیور کی سمجھ میں آیا کہ پانی اتنا زیادہ نہیں ہے کہ گاڑی اس سے گزر نہ سکے۔ چنانچہ ہمارے ڈرائیور نے بھی گاڑی دریا میں ڈال دی۔ چند منٹ میں ہم لوگ دریا کے اُس پار پہنچ چکے تھے۔ عجیب بات ہے کہ یہ جیپ ہمیں آگے دوبارہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ اس منظر کو دیکھ کر مجھے اسماعیل میرٹھی کا ایک قطعہ یاد آیا:

گھوڑ دوڑ میں کدائی کی بازی تھی ایک دن ترکی پہ کوئی تازی پہ اپنے سوار تھا
جو ہچکچا کہ رہ گیا سو رہ گیا ادھر جس نے لگائی ایڑ وہ خندق کے پار تھا

رات مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی کے مہمان خانہ میں گزاری۔ صبح کو فجر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں ادا کی۔ امام نے دونوں رکعتوں میں سورہ الشمس اور سورہ البروج کی تلاوت کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ پٹنہ کے لئے روانہ ہوگئے۔

جب ہم پٹنہ میں داخل ہوئے تو گیارہ بج رہے تھے۔ جناب ایم ٹی خان (ڈپٹی رجسٹرار) کی رہائش گاہ پر چند گھنٹہ قیام کیا۔ یہاں چند افراد کی ایک نشست میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ مثلاً ایک سوال یہ تھا کہ موجودہ زمانہ میں جب کہ پریس کا دور آچکا ہے اور قرآن پوری طرح محفوظ

ہو چکا ہے تو ایسی حالت میں تحفیظ قرآن کے مدارس کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ تحفیظ قرآن کے ادارے آج کل جتنی کثرت سے قائم ہو رہے ہیں ان سے مجھے زیادہ اتفاق نہیں۔ لیکن خود یہ بات کہ قرآن کے حافظوں کا تسلسل ہر زمانہ میں امت میں جاری رہنا چاہئے، بے حد اہم ہے۔ کیوں کہ قرآن کی حفاظت سے مراد صرف اس کے لفظی متن کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اس کے صوت اور اس کے لہجہ کی حفاظت بھی لازمی طور پر مطلوب ہے اور حفاظت قرآن کا یہ دوسرا پہلو اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کہ امت میں قرآن کے حفظ اور قرأت کا سلسلہ برابر جاری رہے۔

ایک سوال یہ تھا کہ آپ نے اپنے دعوتی مشن کے تحت کوئی جماعت نہیں بنائی۔ پھر یہ مشن آپ کے بعد کیسے جاری رہے گا۔ میں نے کہا کہ جماعت یا ادارہ کسی مشن کے تحفظ کا ذریعہ نہیں۔ جماعت یا ادارہ کے ذریعہ جو چیز محفوظ ہوتی ہے وہ تحزّب (گروہ بندی) ہے نہ کہ اصولی معنوں میں کوئی مشن۔ میں نے کہا کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ میرے بعد میرے نام پر کوئی متعصبانہ حزب بن جائے۔ میری دلچسپی مشن کے تحفظ سے ہے اور وہ اللہ کے فضل سے لٹریچر اور انٹرنٹ اور کیسٹ وغیرہ کی صورت میں ساری دنیا میں جاری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد یہ سلسلہ مزید اضافہ کے ساتھ جاری رہے گا۔ آج ہر جگہ ایسے افراد پیدا ہو چکے ہیں جو اس مشن کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ سلسلہ یقینی طور پر جاری رہے گا۔ وہ کسی کے مرنے پر ختم نہیں ہو سکتا۔

پٹنہ سے دہلی کے لئے جہاز کا وقت تین بجے تھا۔ مولانا عبد الرحیم امدادی وغیرہ کے ساتھ ائرپورٹ پہنچا تو جہاز روانگی کے لئے تیار تھا۔ ائرپورٹ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک آدمی نے پوچھا کہ آپ دہلی جا رہے ہیں۔ میں نے کہا، ہاں۔ اس نے میرا ٹکٹ لے کر فوراً بورڈنگ کارڈ بنوایا اور تیزی سے مجھے جہاز کے اندر پہنچا دیا۔

میرے دل نے کہا کہ کاش آخرت میں بھی ایسا ہی ہو۔ وہاں بھی جب میں پہنچوں تو ایک فرشتہ میرے انتظار میں کھڑا ہو۔ وہ مجھ کو تیزی سے لے جائے اور جنت کا پروانہ دے کر مجھے جنت میں داخل کر دے۔

آج مئی کی ۲۷ تاریخ تھی۔ جہاز میں پڑھنے کے لئے مختلف اخبارات تھے۔ ۲۷ مئی کے ایشین ایج میں مسٹر ٹی این مورتی کا ایک خط شائع ہوا تھا۔ یہ میچ فکسنگ (match fixing) کے بارے میں تھا۔ یعنی کسی میچ کی ہار جیت کو پیشگی طور پر طے کر لینا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ ہندستان کے کھلاڑی کس طرح صرف پیسہ کی خاطر پورے ملک کی عزت کو بیچ سکتے ہیں۔

پچھلے برسوں میں میچ فکسنگ کے واقعات نے پوری قوم کو اکسپوز کر دیا ہے۔ یہاں پچھلے پچاس سال سے دیش بھکتی کا غلغلہ جاری رہا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنوں میں دیش بھکتی کا کہیں وجود نہیں۔ ساری کی ساری قوم خویش بھکت ہو رہی ہے نہ کہ دیش بھکت۔

ہوائی جہاز کے ائر کنڈیشنڈ کیبن میں ہمارا سفر جاری تھا یہاں تک کہ دلی قریب آگیا۔ اس وقت جہاز کے اندر اعلانات میں کہا گیا کہ جلد ہی ہم دلی میں اترنے والے ہیں۔ اس میں اناؤنسر نے یہ بھی کہا کہ دہلی کا موسم بہت گرم ہے: The weather in Delhi is very hot. یعنی ۱۴۱ ڈگری سنٹی گریڈ۔ میرے قریب دو بڑے تاجر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ کبھی پنجابی میں بولتے تھے اور کبھی انگریزی میں اس لئے میں پوری طرح سمجھ نہیں سکا کہ ان کی گفتگو کس موضوع پر تھی۔ البتہ مذکورہ اعلان کے بعد ایک شخص کی زبان سے یہ الفاظ سنائی دئے کہ ذاتی طور پر میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں:

Personally I have no problem.

مجھے معلوم نہیں کہ کہنے والے نے یہ جملہ کس سیاق میں کہا تھا مگر مذکورہ اعلان کے بعد جب اس کی زبان سے یہ الفاظ سنائی دئے تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ وہ کہہ رہا ہو کہ دہلی کا موسم اگر بہت گرم ہے تو مجھے اس کی کوئی پریشانی نہیں۔ کیوں کہ یہاں میں ائر کنڈیشنڈ جہاز میں سفر کر رہا ہوں۔ دہلی ائر پورٹ پر اترتے ہی میرے لئے ائر کنڈیشنڈ گاڑی کھڑی ہوگی جو مجھے میرے ائر کنڈیشنڈ گھر میں پہنچادے گی اور وہاں سے دوبارہ میں ائر کنڈیشنڈ گاڑی میں سفر کرتے ہوئے اپنے ائر کنڈیشنڈ آفس میں پہنچ جاؤں گا۔

موجودہ ہندستان میں اوپر کے طبقہ کی نفسیات عام طور پر یہی ہے۔ ان لوگوں نے آزادی کے بعد دولت کما کر اپنے ذاتی معاملہ کو خوب درست کر لیا ہے۔ اب انہیں یہ پریشانی نہیں کہ ملک کے بقیہ لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہی خود غرضانہ سوچ ہمارے ملک کے تمام مسائل کی اصل جڑ ہے۔

۲۷ مئی ۲۰۰۰ کی شام کو میں واپس دہلی پہنچا تو یہاں ڈاک میں جو خطوط تھے ان میں سے ایک خط حیدرآباد کے ایک صاحب کا تھا۔ انہوں نے حیدرآباد کے اخبار روزنامہ سیاست (۱۵ مئی ۲۰۰۰) میں چھپے ہوئے ایک مضمون کی کٹنگ بھیجی تھی جس کا عنوان یہ تھا:

"جذباتی نعروں کی سیاست اقلیتوں کے لئے مضرت رساں"

مکتوب نگار نے اپنے مفصل خط میں لکھا تھا:

"اخبار سیاست کے اس مضمون کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے کہ وہ آپ کا ہی مضمون ہو جو کہ کئی برس پہلے پڑھا تھا۔ پھر دوبارہ پڑھ رہا ہوں۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ آپ کے نام کے بجائے اس پر کسی اور کا نام لکھ دیا گیا ہو۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کے مضمون کو پڑھ کر ہر سطح کے لوگ ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتے تھے۔ لیکن یہ اللہ کا آپ پر بڑا فضل رہا ہے کہ آپ کی زندگی میں ہی لوگ آپ کی فکر کی باتیں کہہ رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی مسلسل کوشش اللہ کے فضل سے رنگ لا رہی ہے، بلکہ سمجھئے کہ لا چکی ہے۔"

سفر سے واپسی کے بعد وہاں سے کئی لوگوں کے خطوط موصول ہوئے۔ ان میں سے ایک جناب اسلم احمد (بتیا، چمپارن) کا خط تھا۔ اس خط کے بعض حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"میں ایک Commercial Bank (بینک آف انڈیا) میں کام کرتا ہوں۔ میرا واسطہ بہت سے لوگوں سے پڑتا ہے جس میں ہندو اور مسلمان سبھی ہوتے ہیں۔ میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان میں جو پڑھے لکھے لوگ ہیں ان کو الرسالہ کے مشن سے واقف کرایا جائے۔ اس کے لئے میں ان لوگوں کو آپ کی کتابیں ہدیتاً دیتا رہتا ہوں۔ اس سلسلہ میں میں نے اپنے شہر کے

ایک عیسائی مشنری اسکول کے ایک پادری کو جو آکسفورڈ سے انگریزی میں ایم۔اے تھے، الرسالہ انگریزی دو سال تک پڑھایا۔ اسے پڑھنے کے بعد وہ آپ سے بہت متاثر نظر آئے اور الرسالہ کی بہت تعریف کی۔ اس طرح سے میں نے بہت سے غیر مسلم تعلیم یافتہ لوگوں کو الرسالہ کی مطبوعات تحفۃً پڑھنے کو دیں اور اچھا feed back پایا۔"

بہار سے ملنے والے خطوط میں سے ایک اور خط ایک مسلم خاتون صوفیہ حیدر صاحبہ کا تھا۔ اس کے کچھ حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

آپ کا خط مورخہ ۲۳ جون مجھے مل چکا ہے جو کہ صرف ایک خط نہیں ہے بلکہ میرے لئے ایک قیمتی نصیحت نامہ ہے۔ یہ کام بظاہر میں پہلے سے اور انجانے میں کر رہی تھی مگر اس سے میرے نظریہ میں اور دل کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ مگر آپ کے خط نے میرے سوچنے اور دیکھنے اور سمجھنے میں زبردست مثبت تبدیلی لادی۔ آپ کی نصیحت کہ "اس دنیا میں کسی کو بھی اپنا مستقل دشمن نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اس ذہن کے ساتھ کام کرنا چاہئے کہ ہر شخص میرا potential friend ہے۔ اس نصیحت نے نہ صرف جماعت والوں کی طرف سے میرے دل کے کینہ کو صاف کر دیا ہے بلکہ ان کے اور قریب جانے کا حوصلہ بھی عطا کیا ہے۔ اس سے نہ صرف اتحاد ملت کے کام میں اضافہ ہوگا بلکہ کافی خاموشی کے ساتھ میں الرسالہ کے مضامین و نصیحت کو ان کے اندر تک پہنچا سکوں گی۔ اس کا نتیجہ بھی سامنے آرہا ہے۔ ایک خاتون جو خود بھی دینی کام کر رہی ہیں۔ آپ کا الرسالہ کافی شوق سے لے کر پڑھ رہی ہیں۔ انہیں آپ کے الرسالہ کا سفر نامہ بہت پسند آتا ہے۔ آپ کی اعراض کی تعلیم گویا کانٹے کے بدلے پھول دینے کی تعلیم ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ میرے لیے 'دلوں کو پھیر دینے والے' سے صراط مستقیم پر مضبوطی سے قائم رہنے کی دعا کریں۔ آمین

میری تعلیم میں ہر روز "تذکیر القرآن" بھی شامل ہے۔ میں اس کی تعریف کس طرح کروں؟ بس آپ یہ سمجھئے کہ میں نے اب تک قرآن کو کئی بار پورا پڑھا ہے، معنی کے ساتھ بھی

اور کچھ تفسیر بھی۔ مگر تذکیر القرآن کو پڑھ کر مجھے لگا کہ میں نے ابھی تک قرآن کو پڑھا ہی نہ تھا۔ اب مجھے قرآن ملا ہے، قرآن کو میں نے اب پایا ہے (جیسا کہ قرآن میں ہے کہ قرآن کو تذکیر و نصیحت کے لئے اتارا گیا ہے)۔ میرے بتیا شہر میں کئی جگہ عورتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ جو مختلف دینی حلقوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ میں ہر ایک سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہوں۔

میرے گھر میں تقریباً سب لوگ (امی، ابا، دادی) آپ کا الرسالہ پڑھتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ دوسری کتابیں پڑھتے تھے۔ مگر آج انہوں نے کہا کہ جب سے الرسالہ پڑھ رہا ہوں اب دوسری کتابوں میں دل نہیں لگتا۔ میری دادی ہر وقت آپ کے الرسالہ و دیگر کتابوں کو پڑھتی رہتی ہیں۔ کل انہوں نے مئی ۱۹۹۷ کے الرسالہ کا 'پونہ کا سفر' پڑھا تو آپ کے لئے دعا کی کہ "اللہ ان کو اور لمبی حیات دے تاکہ دنیا کو سبق پڑھائیں۔ ایسا شخص ہم نے پوری صدی میں نہ دیکھا"۔ آپ ہم سب کے لئے خدا سے دعا کریں۔ میری خواہش ہے کہ میرا گھر، میرا خاندان بلکہ میرا پورا علاقہ دعوتی مشن سے وابستہ ہو جائے۔ اگر آپ اس کے لئے کوئی قیمتی رائے عطا کریں تو مجھے اس سے محروم نہ کریں۔ (صوفیہ حیدر، بتیا، بہار)

پٹنہ سے میں الائنس کے جس جہاز پر ۲۷ مئی کو دہلی آیا تھا، یہ وہی جہاز تھا جو بعد کو ۱۷ جولائی کو پٹنہ میں اترتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو گیا اور ائرپورٹ کے قریب گر پڑا۔ اس کے بیشتر مسافر جل کر مر گئے۔ اس حادثہ پر پٹنہ کے ایک ہندی اخبار نے اپنی رپورٹ چھاپتے ہوئے یہ سرخی لگائی تھی "منزل قریب تھی اور موت نے دستک دے دی"۔

یہ حادثہ جو مذکورہ جہاز کے مسافروں کے ساتھ پیش آیا، جلد یا بدیر یہی انجام سارے انسانوں کے لئے مقدر ہے۔ اس دنیا میں ہر آدمی ہر آن اس اندیشہ سے دوچار ہے کہ اس کی سواری اچانک مسافر سمیت تباہ ہو جائے، خواہ وہ بظاہر اپنی منزل کے عین قریب پہنچ گیا ہو۔

سوال

۱۹۴۷ سے پہلے جب دیش کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا تو اس علاقہ کے بیشتر مسلمان یہ کہتے تھے کہ آزادی کے بعد جو اکھنڈ انڈیا بنے گا اس میں غیر مسلموں کی مجارٹی ہوگی۔ اس میں مسلمانوں کے لئے یہ موقع نہ ہوگا کہ وہ اپنی پولیٹکل اور کلچرل پہچان کو باقی رکھتے ہوئے زندگی گزاریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا ایک الگ مسلم لینڈ ہو۔ مگر جب یہ مسلم لینڈ بن گیا تو سین (scene) دوسرا تھا۔ اب یہاں کا حال یہ ہوا کہ جس کو موقع ملا وہ بھاگ بھاگ کر انہیں ملکوں میں پہنچ گیا جہاں ان کے نظریہ کے مطابق غیر مسلم غلبہ قائم تھا۔ چنانچہ آج بڑی تعداد میں مسلمان انہیں مغربی ملکوں میں جاکر آباد ہوگئے ہیں جہاں غیر مسلم تہذیب کا پوری طرح ڈامینیشن (domination) ہے۔ کیا یہ ڈبل اسٹینڈرڈ نہیں۔ کیا اسلام ہم کو یہی سکھاتا ہے۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔

(عبدالرحمٰن ایم۔اے، ناندیڑ)

جواب

یہ ایک واقعہ ہے کہ ۱۹۴۷ سے پہلے چند مستثنیٰ شخصیتوں کو چھوڑ کر برصغیر ہند کے تقریباً تمام مسلمان کی سوچ یہی تھی۔ اس زمانہ میں جو لوگ یہ کہتے تھے کہ مذہب اور قومیت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، مذہب کا تعلق عقیدہ سے ہے اور قومیت کا تعلق ہوم لینڈ سے، ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ حتی کہ ایسے افراد کا اس زمانہ میں مسلم سماج کے اندر عزت کے ساتھ رہنا سخت دشوار ہوگیا تھا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کو میں نے نہ صرف پڑھا ہے بلکہ ذاتی طور پر اس کا تجربہ کیا ہے۔

یہ بھی ایک معلوم واقعہ ہے کہ جب ایک ہنگامہ خیز تحریک کے بعد ایک الگ مسلم لینڈ بن گیا تو یہی لوگ پہلے خود اس مسلم لینڈ میں اپنی مادی ترقی کی کوشش میں لگ گئے۔ اور جب دیکھا کہ اس مسلم لینڈ میں زیادہ بڑی ترقی کے امکانات نہیں ہیں تو وہ بھاگ بھاگ کر ان ملکوں میں پہنچنے لگے جن کو مادی اعتبار سے ترقی یافتہ ملک (developed countries) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آج انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش، حیدر آباد اور کشمیر کے ۱۰ ملین (ایک کرور) سے زیادہ مسلمان یہاں سے

جا کر امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں چین اور سکون کے ساتھ رہ رہے ہیں بلکہ وہ زبان حال یا زبان قال سے اس پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا اور اپنے بچوں کا مادی مستقبل شاندار طور پر ان سیکولر ملکوں میں محفوظ کر لیا۔

یہ معاملہ بلاشبہہ ایک سنگین جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۹۴۷ سے پہلے ان مسلمانوں نے اپنی علیٰحدہ تہذیبی شناخت کو اتنی زیادہ اہمیت دی کہ انہوں نے اس معاملہ میں یہاں کی غیر مسلم اکثریت سے کسی بھی مصالحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا حسین احمد مدنی جو متحدہ قومیت کے قائل تھے، ان کو شیخ الاسلام کے بجائے شیخ الاصنام کہا گیا۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کو شوبوائے کا نام دیا گیا، وغیرہ۔

ان مسلمانوں نے یہاں ایسی دھواں دار تحریک چلائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بہت بڑے پیمانہ پر نفرت اور کشیدگی کی فضا قائم ہو گئی۔ دونوں کے درمیان تعلقات کی اس تلخی نے اس پورے علاقہ میں دعوت کے مواقع کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ نیز یہ کہ اس نام نہاد اسلامی تحریک کے نتیجہ میں انڈیا کے تقریباً بیس کروڑ مسلمان مزید اضافہ کے ساتھ عین اسی خطرہ میں زیادہ شدت کے ساتھ پھنس کر رہ گئے جس خطرہ سے بچنے کا نام لے کر علیٰحدہ مسلم لینڈ کی تحریک چلائی گئی تھی۔

یہ بلاشبہہ ایک انتہائی سنگین معاملہ ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں تقریباً یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام مسلمان ایک مجرمانہ فعل کے مرتکب ہوئے ہیں جنہوں نے علیٰحدہ تہذیبی شناخت کے نام پر یہ ہنگامہ کھڑا کیا تھا اور اب نہایت اطمینان کے ساتھ اسی قسم کی سیکولر تہذیب سے موافقت کر کے اس کے اندر پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔

اسلام کے مطابق، ایسے مسلمانوں کے لئے ان کی موجودہ پرسکون زندگی کا کوئی مبرر (justification) موجود نہیں۔ ان لوگوں کے لئے جائز طور پر صرف دو میں سے ایک کا انتخاب (option) ہے۔ یا تو وہ دوبارہ اپنے حاصل کردہ "مسلم لینڈ" میں واپس جائیں اور وہاں کی سختیوں

اور تلخیوں کو برداشت کرتے ہوئے وہاں زندگی گزاریں۔ ان کے لئے دوسرا ممکن انتخاب یہ ہے کہ وہ کھلے طور پر یہ اعلان کریں کہ ان کا سابقہ نظریہ غلط تھا۔ ایک مسلمان سیکولر لینڈ میں بھی اسی طرح جائز طور پر رہ سکتا ہے جس طرح مسلم لینڈ میں۔

ان مسلمانوں کی موجودہ حالت گویا تیسرا انتخاب (third option) ہے۔ اور اس معاملہ میں تیسرا انتخاب بلاشبہہ کوئی انتخاب نہیں۔ یہ اسی دوہرا معیار کی مثال ہے جس کو حدیث میں "الذی یأتی ھؤلاء بوجہٍ وھؤلاء بوجہٍ (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ما قیل فی ذی الوجھین) کہا گیا ہے، اس قسم کی دہرا روش اسلام میں اتنی زیادہ مبغوض ہے کہ اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ "نماز اور روزہ" بھی غیر معتبر ہو جائے۔

یہاں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اس مجرمانہ فعل کے ذمہ دار صرف وہ لوگ نہیں ہیں جو براہ راست طور پر اس تحریک کے علم بردار بنے ہوئے تھے بلکہ وہ لوگ بھی یقینی طور پر اس میں شریک قرار دئے جائیں گے جنہوں نے اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی یا اب وہ کھلے طور پر اس نظریہ کی غلطی کا اعتراف نہیں کر رہے ہیں۔ ایسے موقع پر کسی کا خاموش رہنا ہمیشہ بالواسطہ تائید کے ہم معنی ہوتا ہے۔ اس مسلمہ اصول کے مطابق، مذکورہ جرم میں اگر کچھ لوگ براہ راست طور پر شریک ہیں تو دوسرے لوگ بالواسطہ طور پر شریک۔ اس جرم عام سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو کھلے طور پر اس کی غلطی کا اعلان کریں، اور اس کی پرواہ نہ کریں کہ اس اعلان کا نتیجہ انہیں اپنے ہم قوموں کی طرف سے سخت رد عمل (backlash) کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔

سوال

میں فلسفہ کا طالب علم ہوں اور اکثر و بیشتر شکوک و شبہات سے دوچار رہتا ہوں۔ فلسفہ کی طرف میرا طبعی میلان ہے۔ ایک قسم کے شکوک رفع ہوتے ہی دوسرے قسم کے شکوک مجھے آگھیرتے ہیں۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے کیا فلسفہ کا مطالعہ ترک کرنا ہوگا۔ اکثر لوگوں کا مجھے یہ مشورہ ہے کہ فلسفہ کوئی عملی چیز نہیں، فکری چیز ہے اور فکری پیچیدگیوں میں پڑنا اپنا وقت

برباد کرنا ہے۔اس طرح کی باتوں سے ذہن سازی نہیں ہوتی بلکہ ایمان ویقین کی دولت سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔(طارق اشفاق،اے۔ایم۔یو،علیگڈھ)

جواب

اس سوال کا جواب کچھ ممتاز فلسفیوں نے خود ہی کامیاب طور پر دے دیا ہے۔مثال کے طور پر برٹش فلسفی برٹرینڈ رسل نے۔ آپ اس کی کتاب علم انسانی(Human Knowledge) کو گہری نظر سے پڑھیں تو آپ اس میں اپنے سوال کا جواب پالیں گے۔

اصل یہ ہے کہ فلسفہ کم از کم ۵ ہزار سال سے حقیقت کی تلاش میں سرگرم رہا ہے مگر اس کو کبھی حقیقت کی دریافت نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس سائنس کو موجودہ زمانہ میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی ہے۔اس کا راز یہ ہے کہ فلسفہ علم کلی تک پہنچنا چاہتا تھا جو موجودہ دنیا میں ممکن ہی نہ تھا۔سائنس نے اسی حقیقت کو دریافت کر کے علم جزئی پر قناعت کر لی اس لئے وہ کامیاب ہو گئی۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایکسرے مشین کے سامنے ایک آدمی کو کھڑا کر کے جب مشین کی سوئچ دبائی جاتی ہے تو فوراً ایک پلیٹ پر آدمی کی داخلی تصویر آجاتی ہے۔اب فلسفی یہ جاننا چاہے گا کہ ایسا واقعہ کیوں کر ہوا۔چونکہ انسان کی اپنی محدودیتوں(limitations) کی بنا پر اس علم تک پہنچنا ممکن نہیں اس لئے فلسفی ابدی طور پر اس میں الجھ کر رہ جائے گا۔اس کے حصہ میں آخر کار کنفیوزن کے سوا اور کچھ نہ آئے گا۔اس کے برعکس سائنس نے یہ کیا کہ "کیوں" کے سوال کو الگ کر کے "کیا ہے" کو لے لیا۔اس طرح وہ اس میں کامیاب ہو گئی کہ انسانی تمدن کو ایک قیمتی تحفہ دے سکے۔

اس معاملہ میں حقیقت پسندی کی بات یہ ہے کہ آدمی اجمالی علم پر اکتفا کرے۔وہ جزئی علم پر راضی ہو جائے اور کلی علم کے پیچھے بے فائدہ طور پر نہ دوڑے۔ قرآن میں اسی حقیقت کو ایک سوال کے جواب میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تم کو اس دنیا میں صرف علم قلیل دیا گیا ہے۔(بنی اسرائیل) اس مضمون کی تفصیل کے لئے راقم الحروف کی کتاب 'مذہب اور سائنس' کا مطالعہ کریں۔

سوال

ایک حدیث اس طرح ہے کہ "حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے خدا کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک دنیا ختم نہ ہو گی جب تک لوگوں پر ایسا دن نہ آئے گا کہ قاتل کو یہ علم نہ ہو گا کہ میں نے کیوں قتل کیا اور مقتول یہ نہ جانے گا کہ میں کیوں قتل ہوا۔ کسی نے عرض کیا کہ ایسا کیوں ہو گا۔ ارشاد فرمایا کہ فتنوں کی وجہ سے قتل بہت بڑھ جائے گا۔ پھر ارشاد فرمایا ان فتنوں میں قتل کرنے والا اور قتل ہونے والا دونوں جہنم میں داخل ہوں گے۔" اس حدیث میں قتل کرنے والا اور قتل ہونے والا دونوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بات کہی گئی ہے۔ قتل کرنے والا جہنم میں جائے گا یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن قتل ہونے والا جہنم میں جائے گا، یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ حدیث کا اصل مفہوم کیا ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں۔ (خورشید احمد، شوپیان)

جواب

اس اشکال کا جواب خود حدیث میں موجود ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو سننے کے بعد صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول قاتل کا جہنم میں جانا تو معلوم ہے مگر مقتول جہنم میں کیوں جائے گا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: کل واحد منهما يريد قتل صاحبه (النسائی، تحریم القتل) یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتا تھا۔

قتل کا ایک واقعہ وہ ہے جب کہ قاتل یک طرفہ طور پر مجرم ہو اور مقتول یک طرفہ طور پر بے قصور۔ مگر جب بگاڑ بڑھ جائے تو معاملہ یک طرفہ (unilateral) نہیں رہتا بلکہ دو طرفہ (bilateral) ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنی حقیقت کے اعتبار سے دونوں یکساں طور پر سرکش ہوتے ہیں اور یہ صرف اتفاق کی بات ہوتی ہے کہ اس دو طرفہ سرکشی کے دوران ایک شخص مارا گیا اور ایک شخص بچ گیا۔ اس دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ دونوں ہی اللہ کے نزدیک مجرم قرار پائیں گے۔ کیوں کہ اسلام کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے (انما الاعمال بالنیات)۔

سوال

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پر نبوت عطا کی گئی۔ لیکن اس وقت ان کو تورات نہیں دی گئی۔ فرعون اور اس کی قوم کے دریائے قلزم میں غرق ہونے کے بعد کوہ طور پر چالیس روز کا اعتکاف کرنے کے بعد ان کو تورات دی گئی۔ اس کی صراحت قرآن میں کئی مقام پر آئی ہے ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔ اور ہم نے اگلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب عطا کی جو لوگوں کے لئے بصیرت، ہدایت اور رحمت تھی۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (القصص ۴۳) اس آیت کے "القرون الاولیٰ" کے فقرے کے بارے میں ایک تفسیر یہ آئی ہے: یعنی اگلی قوموں سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی گئی۔ (زبدۃ التفسیر من فتح القدیر، للامام الشوکانی ۵۱۲) نزول تورات سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و دعوت کے اولین مخاطب فرعون اور اس کی قبطی قوم تھی۔ اس دعوت کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو کس قسم کی تعلیمات بتاتے تھے اور ان کا ذریعہ کیا تھا۔ قرآن سے اس کی صراحت نہیں ملتی۔ کیوں کہ تورات ان کی ہلاکت کے بعد نازل ہوئی۔ کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام وہی چیز ان کے سامنے پیش تو نہیں کرتے تھے جسے ہم شریعت اسلامی میں سنت یا وحی غیر متلو کہتے ہیں؟ میری اس الجھن کو دور فرمائیں۔ (غلام نبی، سری نگر)

جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ وہی ہے جو دوسرے تمام پیغمبروں کا معاملہ تھا۔ مصر میں وہ ابھی دورِ دعوت میں تھے اور دور دعوت میں ہر پیغمبر اپنی قوم کو صرف توحید کا پیغام پیش کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے بھی فرعون اور قوم فرعون کے سامنے توحید کا پیغام پیش کیا۔ جہاں تک تورات کا تعلق ہے وہ احکام کا مجموعہ ہے۔ اس طرح کے احکام ہمیشہ اس وقت اترتے ہیں جب کہ اس کے موافق معاشرہ بن چکا ہو۔ بنی اسرائیل جو اس وقت کے اہل ایمان تھے، جب

وہ صحراء سینا میں آباد ہوئے اس وقت وہاں ان کا معاشرہ قائم ہو گیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے مشن کے اس دوسرے مرحلہ میں تورات کی صورت میں شرعی احکام انہیں دے دئے گئے۔ یہی معاملہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ مکہ میں آپ مرحلۂ دعوت میں تھے۔ چنانچہ اس وقت آپ مکہ کے مشرکین کو توحید کا پیغام دیتے رہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب اہل ایمان کا معاشرہ قائم ہو گیا، اس وقت آپ پر احکام نازل کئے گئے۔

سوال

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: دنیا بقدر مقدر، اور دین بقدر مشقت۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے براہ کرم وضاحت فرمائیں (پرویز اختر صدیقی۔ مہادیو اروڈ، آگرہ)

جواب

اس معاملہ میں صحیح بات یہ ہے کہ دنیا بقدر امتحان، اور دین بقدر اخلاص۔ وہ تمام چیزیں جن کو دنیا کہا جاتا ہے وہ سب امتحان کا پرچہ ہیں، مثلاً مال، اولاد، شہرت، مقبولیت، عہدہ اور اقتدار۔ اللہ کو جس چیز میں جس آدمی کا امتحان لینا منظور ہوتا ہے وہ چیز اس کو دے دی جاتی ہے۔ دنیا کی محرومی نہ تو سزا کے لئے ہے اور نہ دنیا کی فراوانی انعام کے لئے۔ دونوں ہی یکساں طور پر امتحان کے لئے ہیں۔

جہاں تک دین کا معاملہ ہے وہ تمام تر اخلاص پر مبنی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی نقشۂ محنت ہے اور اس نقشہ کے مطابق جو آدمی پریکٹس کرے اس کو پریکٹس کرتے کرتے دین مل جائے گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ کی نظر آدمی کے اندرونی اخلاص پر ہوتی ہے۔ جس آدمی کے اندر جتنا اخلاص ہوتا ہے اسی کے بقدر وہ اللہ کی توفیق سے دین میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ گویا کہ اس معاملہ میں صحیح فارمولا یہ ہے کہ دنیا بقدر امتحان اور دین بقدر اخلاص۔

۱۔ ڈاکٹر پرکاش لوئی جو انڈین سوشل انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ فیلو ہیں۔ انہوں نے اپنے پروجیکٹ کے سلسلہ میں ۱۰ جون ۲۰۰۰ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ اس کا موضوع تھا "اسلامک فنڈ مینٹلوم"۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ موجودہ فنڈ مینٹلوم یا اسلامک اکسٹریمزم (Islamic Extremism) کا ماخذ قرآن و سنت نہیں۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ مسلم قوم پرستی کا ایک ظاہرہ (phenomenon) ہے۔ کچھ مسلمانوں کی سیاسی حوصلہ مندی نے اس قسم کی تحریکیں پیدا کی ہیں۔ جس کو جائز ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اس کو اسلامی نام دے دیا ہے۔

۲۔ ۱۵ جون ۲۰۰۰ کو گول مارکیٹ (نئی دہلی) میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا۔ صدر اسلامی مرکز نے یہاں سیرت کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ قرآنی آیات کی روشنی میں یہ بتایا گیا کہ آج کے حالات میں سیرت رسول کا سبق کیا ہے۔

۳۔ ڈاکٹر جسیکا ایواسٹرن (Jessica Eve Stern) نے ۱۶ جون ۲۰۰۰ کو دہلی میں صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کی۔ وہ ہارورڈ یونیورسٹی کے انٹرنیشنل افیرس ڈپارٹمنٹ میں سینئر فیلو ہیں۔ وہ جہاد اور ٹررزم کے مسئلہ پر ریسرچ کر رہی ہیں۔ مفصل انٹرویو کے دوران جو باتیں انہیں بتائی گئیں ان کا خلاصہ یہ تھا کہ جہاد اور جنگ ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ جہاد کے لفظی معنی کوشش کے ہیں۔ اس سے مراد اصلاً پر امن دعوتی جدوجہد ہے۔ جنگ اسلام میں صرف دفاع کے لئے ہے اور وہ بھی قائم شدہ حکومت کی طرف سے نہ کہ عوام کی طرف سے۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ آج کل مختلف مسلم ملکوں میں "اسلامی نظام قائم کرو" کے نام پر مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں میں جو لڑائی جاری ہے وہ اسلام میں قطعاً جائز نہیں۔ اسلام کی ۱۴ سو سالہ تاریخ میں کبھی علماء نے اس قسم کی جنگ نہیں چھیڑی۔ یہ صرف بیسویں صدی کے بعد بعض نام نہاد اسلام پسند رہنما ہیں جنہوں نے قرآن کی بعض آیتوں

کی غلط تفسیر کر کے مسلمانوں کو اس قسم کی ناجائز جنگ میں الجھادیا ہے۔

۴ ۱۷ جون ۲۰۰۰ کو اسٹار ٹی وی پر صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا گیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر مسلم پرسنل لا اور خطبۂ جمعہ سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ صرف جمعہ میں چھپی ہوئی تقریر سنا دینا مسلمانوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے زیادہ گہری بنیادوں پر مسلسل عمل کرنا ہوگا اس کے بعد ہی کوئی حقیقی نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔

۵ انٹیگرل ہیومنزم (Integral Humanism) کے عنوان کے تحت ایک جلسہ ہما چل بھون (نئی دہلی) میں ۸ جولائی ۲۰۰۰ کو ہوا۔ اس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور ان کو خطاب کیا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ سماج کا بہتر فرد بننے کے لئے آدمی کے اندر دو صفتیں ہونی چاہئیں۔ ایک، ہر قیمت پر بے غرض بنے رہنا، کسی بھی انٹرسٹ کی بنا پر اخلاقی معیار سے تجاوز نہ کرنا۔ دوسرے، انسانیت کے لئے اتنی زیادہ خیر خواہی کہ آدمی دوسرے کا درد اپنے سینہ میں محسوس کرنے لگے۔

۶ محترمہ صوفیہ حیدر، بتیا (بہار) میں سرگرمی کے ساتھ دعوتی کام میں مشغول ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے بعض تجربات لکھ کر بھیجے۔ اس کے جواب میں انہیں خط کے ذریعہ یہ رہنمائی دی گئی: اس دنیا میں کسی کو بھی اپنا مستقل دشمن نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اس ذہن کے ساتھ کام کرنا چاہئے کہ ہر شخص میرا پوٹینشیل حامی (potential friend) ہے۔ اگر بالفرض کوئی مرد یا عورت ایسی بات کہہ دے جو آپ کے دل کو ناگوار ہو تو اس کو محض وقتی سمجھ کر نظر انداز کر دینا چاہئے۔ ناخوشگوار بات کا بہترین جواب یہ ہے کہ اس سے بر اثر نہ لے کر خوشگوار انداز میں اس کا جواب دیا جائے۔

۷ خدا کے فضل سے الرسالہ مشن سے جڑے ہوئے لوگ ملک کے اندر اور ملک کے باہر اکثر

جگہوں پر خاموش دعوتی عمل میں مصروف ہیں۔ وہ اپنے تجربات خط اور ٹیلی فون اور فیکس اور انٹرنٹ کے ذریعہ بھیجتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کو برابر رہنمائی دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر بمبئی کے جناب فاروق فیصل صاحب نے وہاں کے کچھ اردو اخبارات کے منفی پروپیگنڈوں کے تراشے بھیجے جس پر انہیں مرکز سے یہ رہنمائی دی گئی:

جنگل میں شیر نکلتا ہے تو کوّے شور کرتے ہیں مگر شیر کوّوں کے شور وغل کی پروا کئے بغیر پر اعتماد انداز میں اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ یہی رویہ آپ لوگوں کا بھی ہونا چاہئے۔ جھوٹے پروپیگنڈے سچے مشن کو کبھی نقصان نہیں پہنچاتے۔ بلکہ وہ "رفع ذکر" بن کر مشن کے مزید تعارف کا باعث بنتے ہیں۔

۸ دو نئی کتابیں تیار ہوئی ہیں جو اب چھپائی کے مرحلہ میں ہیں۔ ایک، مطالعۂ قرآن (صفحات ۲۷۲)۔ اس کتاب میں قرآنی آیات کا علمی اور تذکیری مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ قرآن کی ہر سورہ سے کچھ آیتیں منتخب طور پر لی گئی ہیں۔ اس طرح اس کتاب میں قرآن کی تمام ایک سو چودہ سورتوں کا مطالعہ شامل ہے۔ دوسری کتاب انگریزی میں ہے جس کا نام یہ ہے: Islam Rediscoverd ۔ یعنی اسلام کی از سر نو دریافت۔ یہ کتاب دراصل ان غلط فہمیوں کے پس منظر میں لکھی گئی ہے جو آج کی تعلیم یافتہ دنیا میں اور خاص طور پر مغربی دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کتاب میں غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کا براہِ راست حوالہ دئے بغیر ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کو قرآن وسنت کی روشنی میں اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ تمام غلط فہمیاں اپنے آپ ختم ہوتی چلی جائیں۔ پوری کتاب جدید اسلوب میں لکھی گئی ہے جس کو آج کل سائنٹفک اسلوب کہا جاتا ہے۔

۹ اللہ کے فضل سے انٹرنٹ اب الرسالہ مشن کو پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ بن چکا ہے۔ اس پر مسلسل مختلف دعوتی موضوعات پر مضامین آرہے ہیں۔ ان کو پڑھنے والے برابر اپنے تاثرات بھیج رہے ہیں۔ یہاں اس قسم کے چند نمونے درج کئے جاتے ہیں۔

1. Asslamu Alaykum, Al-hamdulillah, now Maulana's articles are being discussed in e-groups. This is really very good news. I hope and pray that more and more people egroups will discuss al-risala's message in future. Amin. In my view this is the beginning of a breakthrough. (Kaleem, New York.)

2. Maulana Sahab, This is another example of people including Pakistan forum egroup who are circulating the al-Risala articles among themselves. This is really encouranging. From now onwards you will get emails of comments from our web site for you as Maulana@al-risala.org you might have noticed in this your address given under every emailed article. You will receive these emails at skhan@vsnl.com. (Omar Farooq, Ralleigh, USA)

3. Respected Maulana, It was really a thought provoking article (articles on Discovery of Islam). May Allah reward you for that. (Abdul Azeez Abdul Raheem, Dahran)

4. Asslamu Alaikum, I am Abdulla Khan from Solapur. I want Al-Risala English agency and other books also. I am doing dawah work in English among non-Muslim people. So I want it, please tell me the rules etc. our group and I want to do Dawah in a peaceful way as explained by Maulana Wahiduddin Khan. We like his works. So please respond immediately. Also if old issues of Al-Risala English can be sent free, they would be welcomed. (Abdullah Khan, Solapur.)

5. Respected Maulana Sahib, I have been following all your writing and works from a long time, and I have a great praise for your works which really stand for the promotion of our Muslim Community.
   I am based in Moscow and will be coming to Delhi very soon. Kindly spare some time for me so that I may meet you in person. (Hilmi Quraishi, Moscow)

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچہ ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرتعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے	بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال Rs. 110	ایک سال $ 20/ £10	$ 10/ £5
دو سال Rs. 200	دو سال $ 35/ £18	$ 18/ £8
تین سال Rs. 300	تین سال $ 50/ £25	$ 25/ £12
پانچ سال Rs. 480	پانچ سال $ 80/ £40	$ 40/ £18

ISLAMIC BOOKS

Tell Me About Hajj *(with colour pictures)*	295/-
Tell Me About the Prophet Muhammad *(with colour pictures)*	345/-
Allah is Known Through Reason *(with colour pictures)*	345/-
The Miracle in the Ants *(with colour pictures)*	295/-
The Quran	295/-
The Quran: An Abiding Wonder	145/-
The Call of the Qur'an	95/-
The Koran	195/-
Heart of the Koran	195/-
The Soul of the Quran	145/-
Presenting the Quran	125/-
The Moral Values of the Quran	125/-
The Basic Concepts in the Quran	195/-
A Treasury of the Quran	75/-
The Quran for all Humanity	75/-
The Beautiful Commands of Allah	125/-
The Beautiful Promises of Allah	175/-
The Wonderful Universe of Allah	85/-
Muhammad: A Prophet for all Humanity	195/-
Muhammad: A Mercy to all the Nations	250/-
Words of the Prophet Muhammad	75/-
The Sayings of Muhammad	75/-
The Life of the Prophet Muhammad	75/-
Muhammad: The Hero as Prophet	75/-
History of the Prophet Muhammad	75/-
An Islamic Treasury of Virtues	195/-
A-Z Steps to Leadership	95/-
Islam and Peace	150/-
Introducing Islam	195/-
The Moral Vision	145/-
Principles of Islam	145/-
The Muslim Prayer Encyclopaedia	295/-
After Death, Life!	195/-
Living Islam: Treading the Path of Ideal	250/-
A Basic Dictionary of Islam	250/-
The Muslim Marriage Guide	250/-
The Essential Arabic	175/-
Indian Muslims	65/-
God Arises	125/-
Islam: The Voice of Human Nature	40/-
Islam: Creator of the Modern Age	70/-
Woman Between Islam and Western Society	145/-
Woman in Islamic Shari'ah	125/-
Islam As It Is	70/-
Religion And Science	45/-
Man Know Thyself	8/-
Muhammad: The Ideal Character	8/-
Tabligh Movement	40/-
Polygamy and Islam	7/-
Hijab in Islam	20/-
Concerning Divorce	7/-
The Way to Find God	25/-
The Teachings of Islam	50/-
The Good Life	45/-
The Garden of Paradise	45/-
The Fire of Hell	45/-
Islam and the Modern Man	25/-
Uniform Civil Code	10/-

Goodword
B·O·O·K·S
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013
Tel. 462 6666, 462 5454, 4611128
Fax: 469 7333, 464 7980 email: skhan@vsnl.com

ISLAMIC BOOKS

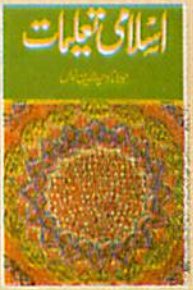

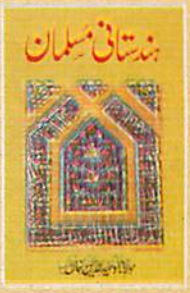

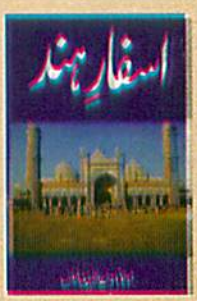

Al-Risāla

1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013
Tel. 462 6666, 462 5454, Fax: 469 7333
email: skhan@vsnl.com

RNI 28822/76 • U(SE) 12/2000
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/2000